صحابیت

کا

قرآنی تصوّر

مصنّف

الحاج علّامہ سیّد محمّد جعفر زیدی شہید

صحابیت کا قرآنی تصور

از قلم

فخر المتکلمین جناب مولانا سید محمد جعفر صاحب قبلہ

امام جمعہ و جماعت جامع شیعہ کرشن نگر

لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اشاعت

پاکستان میں اسلام ناشناس مغرب زدہ مسلمانوں کا ایک حلقہ مغرب کے ملحدانہ افکار پر اسلام کی برتری ثابت کرنے کی بجائے اسلامی اقدار کا حلیہ بگاڑ کر اپنی لفاظی کے زور پر اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تصنیف کرنے میں کوشاں ہے جو زبان سے تو قرآن قرآن اور لفظ "قرآن" کی رٹ لگانے میں "حسبنا کتاب اللہ" کے گمراہ کن نعرہ کا سہارا لیتے ہیں مگر درحقیقت وہ قرآن کے مفہوم و مصداق کے لیے ہدایت رسول کو بھی ضروری نہیں جانتے۔ اور صرف قرآن کے حروف و الفاظ کو قرآن جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک الفاظ قرآن تو خدا کے ہیں مگر مطلب ان الفاظ کے اندر ان کا اپنا ہے تاکہ پاکستان میں موسیقی کی جل ترنگ، حسن و شباب کی برق پاشیوں، عریانی و فحاشی پر "قرآن" کی طرف سے کوئی ٹوک نہ رہے۔ من مانی کی جائے مگر اس کے ساتھ مسلمانی میں بھی کوئی فرق نہ آنے پائے۔

نئے اسلام کی تصنیف میں اسلامی علوم کا وہ عظیم الشان ذخیرہ جو چودہ صدیوں میں مرتب ہوا ہے وہ رکاوٹ بنا ہوا ہے اور راستے کے اس کوہِ گراں کے سامنے یہ لوگ اپنی بے بسی دیکھ کر شیخ چلی کی سی باتیں بناتے ہیں کہ حقیقی اسلام کو آج تک کوئی نہیں سمجھ پایا اور علمائے اسلام نے چودہ صدیوں میں جو عظیم الشان کام تفسیر، حدیث، تاریخ اور فقہ وغیرہ پر کیا ہے، وہ سب ناقص ہی نہیں بلکہ وہ اسلام کے خلاف عجمی سازش کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ قرون اولیٰ میں گزرنے والے صلحاء و علماء و صحابہ و تابعین و تبع تابعین

محدثین، مفسرین، مورخین، فقہاء اور بزرگان دین کو اسلام کے خلاف سازشی قرار دیں۔ بھلا ایسے جہلاء کو اہل علم کیسے منہ لگائیں۔ مگر ان کی بے باکی اور جسارت ملاحظہ ہو کہ بین الملکی شہرت کے مالک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی جو دورِ حاضرہ کے مسلمہ جید (وسیع) عالم ہیں، ان کی عہد آفریں کتاب خلافت و ملوکیت میں درج مسلمہ تاریخی واقعات پر ناموس صحابہ کی آڑ لے کر بودا اعتراض کیا ہے۔ جو معترض کی قرآن نافہمی کا ایسا بولتا ہوا ثبوت ہے جس کو سنکر کہنا پڑتا ہے کہ اس بدلے پر تتا پانی۔ فرماتے ہیں کہ قرآن میں بعض صحابہ کی چونکہ فلاں آیت میں تعریف آئی ہے اس لیے تمام صحابہ بے گناہ ہیں۔ یقیناً قرآن پاک میں بعض ابتدائی مومنین صحابہ کی تعریف کی گئی ہے مگر اسی قرآن میں بعض صحابہ کی ہجو، مذمت، منقصت اور مطاعن کا بھی متعدد آیات میں ذکر ہے کیا وہ یہود و نصاریٰ تھے یا ہندو اور سکھ تھے؟ جب تک تعریف کیے گئے اور مطعون کیے گئے صحابہ کی الگ الگ فہرست مرتب کر کے پیش نہیں کرتے نیک و بد کی تمیز کیسے ہو گی۔ یہ بالکل جاہلانہ مغالطہ ہے جو اہل علم و بصیرت کے نزدیک قابل اعتناء نہیں۔ حیرت بالائے حیرت تو یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ سید الانبیاء، سرکار مدینہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ سہو و نسیان، ناقص اجتہاد اور خطا کاری کی نسبت دینے میں جھجک محسوس نہیں کرتے اور دوسری طرف جائز الخطا لوگوں کو عصمت کا درجہ دینے پر اصرار کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے گمراہ کن موقف کی سستی حمایت حاصل کرنے کے لیے عوام کے سطحی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے

ناموسِ صحابہ کا فتنہ بلا وجہ زیرِ بحث لائے تھے کہ ملک میں انتشار پھیلے اور یہ لوگ اسلام کے مجاہد سمجھے جائیں۔

زیرِ نظر کتابچہ میں "حسبنا کتاب اللہ" کے داعی اور منکرِ حدیث ماہنامہ "بلاغ القرآن" کے ایک مضمون "تحفظِ ناموسِ صحابہ" کے ایک مضمون کا سرکار فخر المتکلمین سید محمد جعفر صاحب قبلہ خطیب جامع شیعہ کرشن نگر لاہور نے ایسے پیرائے اور سلجھے ہوئے انداز سے محاسبہ کیا ہے کہ بے اختیار تحسین و ستائش تعریف و آفرین کے کلمات منہ سے نکلتے ہیں۔ سرکار موصوف تفسیرِ قرآن کے نادر نکات کے موتی لٹانے میں جواب نہیں رکھتے۔ اس مقالہ میں جناب ممدوح نے لفظ صحابہ پر ذرا ہٹ کر اور اچھوتے انداز سے بحث فرمائی ہے جسکو پڑھ کر آپ اچھل پڑیں گے کہ کس طرح بھولے بھالے لوگوں کو اموی ذہن نے مغالطہ دیا۔ اس بصیرت افروز مقالہ میں قرآنی حقائق و عرفانی معارف کے رخ سے پردے ہٹا کر واضح کیا ہے کہ صحابہ کی اصطلاح اپنے مروجہ معنوں میں سرے سے قرآنی اصطلاح ہی نہیں ہے بلکہ ایک وضع کی گئی ہے جس کی آڑ میں اسلام کے ابتدائی دور کے نیک نام و صالح سچے پکے مومنین کے وقار و منصب کی پکیزہ حدود میں "طلقاء" اور "مؤلفۃ القلوب" کو داخل کرنے کیلئے اک چور دروازہ کھولا گیا تھا تاکہ فتح مکہ کے بعد قتل کے خوف سے مسلمانی کا ظاہری لبادہ اوڑھنے والوں کو بلند مرتبہ صحابہ کے ہم پلہ کر دیا جائے۔

یہ مقالہ اپنی نگارش کی شگفتگی اور مربوط دلائل کی پختگی کے اعتبار سے حسن و خوبی میں کمال کو پہنچ گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مولانا کی تقریر میں حقائق کے پھول جھڑتے ہیں وہاں آپ نے تحریر میں بھی حقائق کے موتی بکھیرے ہیں۔

آخر میں ہم ابنائے ملتِ اسلامیہ پاکستان سے یہ خواہش کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس کتابچہ کی وسیع اشاعت سے اس فتنہ انکارِ حدیث کی سرکوبی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ والسلام

(الحاج) خواجہ حبیب علی

ستمبر ۱۹۶۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحابیت کا قرآنی تصور

"بلاغ القرآن" لاہور اگست ۱۹۶۷ء اتفاقاً نظر سے گزرا جس میں ایک مقالہ تحفظِ ناموسِ صحابہ کے نام سے سپردِ قلم کیا گیا ہے اور صحابہ کرام کی حمایت ظاہر کرتے ہوئے جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" پر اعتراض ہے پھر تفسیر القرآن بالقرآن کے نام سے اُن اہلِ کتاب کو مات دی ہے جو کتابِ خدا کے مطالب بدلنے کے لیے اصل عبارت بدلنے پر مجبور ہوتے تھے۔ ان کو یہ ڈھب نہ آتا تھا کہ عبارت کو قائم رکھتے ہوئے بھی اس سے من مانا مفہوم پیدا کر سکیں۔ وہ یہ نہ جانتے تھے کہ لفظ ہماری منشا سے کتنا ہی مختلف اور متضاد کیوں نہ ہو ہم اپنے زورِ کلام سے اسکو رام کر سکتے ہیں۔ وہ کیا جانتے تھے کہ زورِ کلام تو وہ چیز ہے کہ دن کو رات، رات کو دن، زندہ کو مردہ، مردہ کو زندہ، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ لوگ ہوتے اور یہ تفسیر القرآن بالقرآن دیکھتے تو یقیناً اپنے اوپر دانت پیستے اور کہتے کہ ہم نے خواہ مخواہ الفاظ کے رد و بدل کی مصیبت اٹھائی۔ اصل الفاظ سے بھی ہمارے من مانے مفہوم پیدا کیے جا سکتے تھے۔ کہیں ہفت روزہ الاعتصام سے جو چھپا ہے جس میں نبیؐ اور ان کے ارشادات کے وقار کو مجروح کیا ہے۔ کہیں شہید اور مقتول فی سبیل اللہ کی حیات سے انکار ہے۔ ظاہری زندگی شہید کی قائل ہے تباہ کی، باطنی اور پائیدار زندگی کا اسکی

انھوں نے خاتمہ کیا۔ شہید کہیں کا بھی نہ رہا۔ جن صاحب کے یہ مضامین ہیں
ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ نافہمی کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے
کہ وہ جان بوجھ کر صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح کرنے میں لطف محسوس کر رہے
ہیں۔ ان سے کچھ کہنا بے کار ہے۔ البتہ سادہ لوح مسلمانوں کو ہوشیار
کرنے کے لیے ایک مختصر سا تبصرہ منظور ہے سب سے پہلے عنوان تحفظ
ناموسِ صحابہ کی ابتدائی عبارت بلاغ القرآن سے نقل کی جاتی ہے:۔

"افسوس ہے کہ ہماری مروجہ

شانِ صحابہ اور مروجہ تاریخ اسلام

اسلامی تاریخوں میں کسی نہ
کسی طرح ایسے غلط اور من گھڑت واقعات درج ہو چکے ہیں جنھوں
نے صحابہ کی سیرتِ مقدسہ کو جس کی تعریف قرآنِ کریم کے رضی اللہ
عنہم و رضوا عنہ کے کھلے الفاظ میں موجود ہے، اس بری طرح
داغدار کر رکھا ہے کہ جو لوگ صحابہ کی اس شان پر ایمان رکھتے
ہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہے، اس تاریخ کو ایک سیکنڈ کے
لیے بھی صحیح تسلیم نہیں کر سکتے۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے
کہ دورِ حاضرہ کے تاریخ نویس بجائے اس کے کہ تاریخ سے
اس مواد کو نکال باہر کریں جو صحابہ کی قرآنی شان کا مخالف
ہے۔ الٹا ان توہین آمیز واقعات کو جو صحابہ کی طرف منسوب
محض ہیں، سو فیصدی صحیح قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ
محترم سید ابو الاعلیٰ مودودی نے خلافت و ملوکیت کے نام سے

تاریخ صحابہ کا تجزیہ شائع کر کے ناموسِ صحابہ پر تاریخ کے لگائے
ہوئے ان تمام الزامات پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے کی ناکام کوشش
کی ہے، جن کی تردید خدا تعالیٰ نے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ
رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کے الفاظ میں آج سے چودہ سو سال پیشتر
سے فرما رکھی ہے۔"

غنیمت ہے کہ معترض کو صاحبِ کتاب خلافت و ملوکیت سے
یہ شکایت نہیں ہے کہ انھوں نے اسلامی تاریخ کے مستند اور مسلّمہ واقعات
کو چھوڑ کر اپنے طبعزاد اور خود ساختہ واقعات لکھ دیے ہیں بلکہ شکایت اس
امر کی ہے کہ مؤلف کتاب نے محض اسلامی تاریخوں پر کیوں اکتفاء کی
اپنے طبعزاد اور خود ساختہ افسانے کیوں نہ درج کیے۔ نہ معترض کو یہ
شکایت ہے کہ مؤلف کتاب نے صحیح اور مستند اسلامی تاریخوں کو چھوڑ کر
غیر صحیح اور غیر معتبر اسلامی تاریخوں سے واقعات نقل کیے ہیں۔ کیونکہ اعتراض
میں ایسا کوئی اشارہ نہیں۔ لہٰذا تمام تر شکایت یہ ہوئی کہ مؤلف کتاب نے
واقعات تاریخ سے کیوں لیے خود واقعات کیوں نہ وضع کیے؟ اپنے علم کے
زور سے تاریخی واقعات کی کیوں نہ تکذیب کی حقیقتاً یہ کام ہر ایک کے
بس کا نہیں۔ ہر کسے را بہر کارے ساختند آپ کی طرح وہ اس کتاب پر
یہ سرخی چسپاں کرنا نہ جانتے تھے۔ ع ایں کتاب از اہلے دگرست۔
مؤلف کتاب کی عمر چودہ سو سال کی نہیں کہ جو سب واقعات ان کے چشم
دید ہوں نہ اس عمر کا کوئی آدمی ان کو ملا جو ان کو اسلامی تاریخوں سے بے نیاز

کر دے۔ وحی ان پر نہیں آتی، کشف ان پر نہیں ہوتا، یہ سب آپ کو مبارک ہو۔

"مروجہ اسلامی تاریخوں میں کسی نہ کسی طرح ایسے غلط اور من گھڑت واقعات درج ہو چکے ہیں۔"

لفظ مروجہ سے آپ کا کیا مطلب ہے اگر آپ کی نظر میں مروجہ کے علاوہ غیر مروجہ اسلامی تاریخیں معتبر ہوں جن میں غلط اور منگھڑت واقعات درج نہ ہوئے ہوں تو آپ ان کا پتہ دیتے اور ان ہی تاریخوں کے مندرجات سے ان واقعات کی تردید کرتے جو مروجہ اسلامی تاریخوں میں درج ہو چکے ہیں۔ "درج ہو چکے ہیں" یہ جملہ بھی عجیب ہے۔ خود بخود درج ہو گئے یا درج کئے گئے؟ درج ہوئے کس نے درج کیا؟ ایک دو کتاب میں درج ہو گئے یا سرے سے تمام تر اسلامی تاریخوں میں کوئی کتاب بھی ان غلط اور من گھڑت واقعات سے نہ بچی۔ وہ کون سا ید طولیٰ تھا جو سب ہی کتابوں پر قلم پھیر گیا کہ نہ حرف پر حرف چڑھا، نہ عبارت پر عبارت آئی۔ کیا ان اسلامی تاریخوں کے لکھنے والے علماء، مجتہدین اور ائمہ تاریخ نے اپنی کتابوں میں جابجا خالی صفحات چھوڑ دیئے تھے کہ دست غیب کو جو لکھنا ہو لکھ سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کو یہ بتا دینا تھا کہ یہ واقعات ہمارے قلم کے نہیں ہیں کسی نامعلوم قلم کے ہیں۔ اچھا یہ بتلایئے کہ جن کتابوں میں ایسے غلط اور من گھڑت واقعات ہیں جن سے صحابہ کی سیرت مقدسہ داغدار ہو رہی ہے۔ کیا ان کتابوں میں صحابۂ کرام کی نبی سے محبت اور جاں نثاری کے واقعات نہیں ہیں۔ کیا ان کتابوں میں صحابۂ کرام کی مدح و توصیف نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے، تو یہ

مورخین جو اپنے زمانہ کے بہترین علماء تھے، امام تھے، مفسر تھے، مجتہد محدث اور فقیہہ تھے، یہ آپ کے نزدیک ایسے اجہل، نافہم اور بے ذوق تھے جنہوں نے اپنی کتابوں کو جمع بین الاضداد کی معجون بنا دیا کہ ایک طرف تو وہ صحابہ کے تقدس، ان کے ضمیر کی پاکیزگی، ان کا رسوخ ایمانی اور درجۂ عرفانی بیان کر رہے ہیں اور دوسری طرف ان کی سیرت مقدسہ کو بقول جناب والا داغدار کر رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: "جو لوگ صحابہ کی اس شان پر ایمان رکھتے ہیں، جو قرآن کریم میں مذکور ہے اس تاریخ کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی صحیح تسلیم نہیں کر سکتے۔" آپ کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان تمام کتابوں کے لکھنے والے علماء متقدمین یعنی جمہور مسلمین کیا یہ سب صحابہ کی اس شان پر ایمان نہیں رکھتے جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن کریم پر ان میں کسی کا بھی ایمان نہیں۔ پھر یہ مسلمان اور مومن رہے؟ آپ کفر کے فتوے بھی کیوں نہیں دیتے۔ جیسا کہ آپ نے اسی رسالہ میں کہیں لکھا ہے اور تمام ملت اسلامیہ کو خارج از ایمان بھی قرار دے رہے ہیں۔ العجب ثم العجب۔

حقیقت یہ ہے کہ جواب اس کو دیا جا سکتا ہے جو کسی چیز کو مانتا ہو آپ نہ حدیث کو مانتے ہیں نہ تفسیر کو نہ سیرت کو نہ تاریخ کو۔ اب رہا قرآن کریم آپ بظاہر اس سے انکار نہیں کرتے لیکن قرآن کریم کے بارے میں آپ کا نظریہ تمام تر یہ ہے کہ الفاظ اس میں سب خدا کے اور معنی سب آپ کے گھڑے کردہ خدا کی کتاب اور حقیقت میں وہ آپ کی کتاب۔ آپ قرآن کو مانتے

ہیں مگر اس کی بات نہیں مانتے بلکہ اس سے اپنی بات منواتے ہیں اور اپنے
من گھڑت اور طبع زاد مطالب کو جن کو کوئی آپ کے دل میں ڈالتا ہے قرآنی
جامہ پہناتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی اس آیت سے زیادہ صریح اور واضح اور
کون سی آیت ہوگی۔ لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات
بل احیاءٌ ولٰکن لا تشعرون ۔ خدا کی راہ میں قتل کیے جانے
والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔ (سیقول
سورۃ البقرہ رکوع ۱۹) پھر دوسری جگہ ولا تحسبن الذین قتلوا فی
سبیل اللّٰہ امواتاً بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون (آلِ عمران رکوع ۱۷)
خدا کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ مت سمجھو وہ (تمہارے نزدیک
نہ سہی) ان کے رب کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ اللّٰہ
تو یہ کہے کہ ان کو نہ مردہ کہو نہ مردہ سمجھو وہ (تمہارے نزدیک نہ سہی) ان
کے رب کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ اللّٰہ تو یہ کہے
کہ ان کو نہ مردہ کہو نہ مردہ سمجھو وہ زندہ ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ مقتول فی
سبیل اللّٰہ ہوں یا عام متوفی ثم انکم یوم القیٰمۃ تبعثون کی
تنبیہ کے مطابق کسی کی زندگی کا تصور تک نہیں پیدا ہوتا۔ اللّٰہ تو انکی زندگی
کی چار مرتبہ تصدیق کرے "مردہ مت کہو، زندہ ہیں، مردہ مت سمجھو، زندہ
ہیں" اور آپ کہ انکی زندگی کا تصور تک نہ ہو، یہ ہے آپ کے ایمان بالقرآن
کی حقیقت۔ آپ لکھتے ہیں کہ "انھیں احترام کے لیے نہ مردہ کہو نہ گمان کرو
کیونکہ راہِ خدا میں قتل ہونے والے مردہ قوموں کو زندہ کرنے والے ہیں"

جناب والا شہید کو اگر صرف مردہ کہنے سے روکا گیا ہوتا تب تو کسی حد تک
یہ واہمہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ ان کے احترام کے لیے ہے لیکن اس کے
ساتھ یہ فرمانا کہ مردہ سمجھو بھی نہیں اس بات کو بالکل واضح کر رہا ہے
کہ یہ محض احترام نہیں ہے کیونکہ بعض باتیں احتراماً یا اخلاقاً کہنے کی نہیں
ہوتیں لیکن واقعیت سمجھی ضرور جاتی ہے جوان اولاد کی شادی کرتے
وقت یہ کہا نہیں جاتا کہ ہم ان کی شادی اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ اپنی طوفانی اور
شہوانی خواہشوں کو پورا کریں۔ ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوں لیکن شادی کی
جاتی ہے یہی سمجھ کر اور یہ سمجھنا ہی سبب ہے شادی کرنے کا۔ یا مثلاً کسی باپ
کے بیٹے کے بارہ میں یہ کہنا کہ اس کے باپ نے اسکی ماں سے مقاربت
کی تھی۔ اس مقاربت سے جو نطفہ منعقد ہوا یہ شخص اس نطفہ سے پیدا
ہوا ہے۔ ایسے کھلے الفاظ کا زبان پر لانا بے حیائی ہے۔ نہ سننے والے
پسند کریں گے نہ بیٹا، نہ اس کے ماں باپ مگر اس کے بجائے یہ کہنا کہ
یہ شخص فلاں کا بیٹا ہے تو اس لفظ میں کوئی ناگواری نہیں حالانکہ کہنے والے
نے کہا ہے وہی سمجھ کر جس کا کہنا بے حیائی ہے اور جو اور خود بیٹا بھی وہی سمجھتا ہے
جو کہہ نہیں سکتا۔ اب اگر دوسروں سے یا خود بیٹے سے کہا جائے کہ وہ
مقاربت والی بات نہ کہو اور نہ سمجھو تو رہا کیا، نہ باپ باپ رہا نہ بیٹا بیٹا
رہا۔ یہ تو کسی سے کہا جا سکتا ہے کہ فلاں بات اس طرح ہے مگر کہنا نہیں
لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں بات اس طرح ہے مگر سمجھنا نہیں یہ تکلیف
مالا یطاق ہے۔ اسکی تعمیل ناممکن ہے۔ آپ خود اپنے ذہن میں اپنے خیال

ہیں اپنے عقیدہ میں شہداء کو مردہ سمجھ رہے ہیں جس سے آپ کو نہی کی گئی ہے۔
حقیقتاً یہ راز کہ خدا نے شہداء کی زندگی کو اس عظیم اہتمام سے کیوں بیان کیا کہ
ایک جگہ یہ کہ ان کو مردہ نہ کہو، دوسری جگہ یہ کہ ان کو مردہ نہ سمجھو، پھر ہر آیت میں
نہی کے بعد لفظ بل سے ان کے اموات نہ ہونے کی تردید پھر دونوں جگہ بصورت
ثبت احیاءٌ وہ زندہ ہیں، احیاءٌ کے بعد ایک آیت میں عند ربھم آنا
کہ اور کسی کے نزدیک وہ زندہ نہ ہوں تو نہ ہوں لیکن ان کے خدا کے نزدیک
تو یہی ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اس کے بعد یُرزقون کہہ کر، وہ رزق دیے جاتے
ہیں، ان کی زندگی کے پہلو کو اور نمایاں کرنا، دوسری آیت کے آخر میں ولکن
لا تشعرون کہنا کہ اس زندگی کی حقیقت و کیفیت کو تم نہیں سمجھتے، اتنا
زبردست اہتمام کیوں کیا گیا۔ اب سمجھ میں آیا کہ بے وجہ نہ تھا۔ علیم و خبیر جانتا
تھا کہ جب اتنی زبردست وضاحت کے بعد بھی کچھ لوگ شہداء کی زندگی کے
انکار کو اپنے لیے موت سمجھیں گے اور طرح طرح کے حیلوں سے ان کا مردہ ہونا
ثابت کریں گے تو اس بلیغ اہتمام کے ساتھ نہ بیان کیے جانے کی حالت میں ایسے
لوگ ہی سے کتنے کچھ بندوں کو بہکا چھوڑیں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اس سلسلہ
میں غلطی یہ ہو چکی ہے کہ مثل احیاءٌ کے معنی زندہ لیا گیا ہے۔"
آپ کے نزدیک احیاءٌ کا معنی زندہ لیا جانا غلطی ہے آپ اس کا صحیح ترجمہ
سمجھتے ہیں مردہ قوموں کو زندہ کرنے والے۔ مردہ قوموں کو زندہ کرنے والے انبیاءؑ
سے زیادہ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ اور انبیاء میں سب سے افضل سید الانبیاء ہیں
تو ان سے زیادہ کوئی مردہ قوموں کو زندہ کرنے والا نہ ان سے زیادہ کوئی مستحق احترام

آپ نے ان کے بارہ میں کوئی آیت پیش نہ کی کہ ان کو اس معنی میں "حی" کہا گیا ہو
اور ان کو مردہ کہنے سے روکا گیا ہو بلکہ آپ انّک میّتٌ و انّھم میّتون
اس آیت سے نبیؐ کی وفات کو عام لوگوں کی وفات سے برابری دے رہے
ہیں۔ کاش آپ یہاں بھی میّت کے معنیٰ حی کی طرح سے (کفر و باطل کو)
فنا کرنے والے کے لے لیتے۔ واقعہ یہ ہے کہ پیغامِ حیات آپ کو پسند ہی
نہیں۔ ملک الموت تو باذنِ خدا روح قبض کرتے ہیں، آپ اپنی طرف سے
اللہ کی مرضی کے خلاف انبیاءؑ، شہداء سب کے لیے ملک الموت بننا چاہتے
ہیں۔ حالانکہ اگر آپ دیکھنا چاہتے تو اسی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاءؐ
کو بلکہ ان کے ساتھ مخصوص ارواح ایمانی کو قیامت تک اعمالِ عاملین کا نگران
قرار دیا ہے۔ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہٗ والمؤمنون
"اے رسول کہہ دو کہ تم عمل کرو، عنقریب تمہارے عمل کو اللہ اور رسول اور مخصوص
مومنین دیکھتے رہیں گے۔" اس آیت سے حیاتِ نبیؐ پورے طور پر واضح ہو رہی ہے۔
آپ کہتے ہیں کہ شہید زندہ ہوتا تو نہ شہید کی بیوی بیوہ کہلاتی نہ اس سے
کوئی نکاح کر سکتا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر شہید کی بیوی بیوہ نہ کہلاتی اور
اس سے کوئی نکاح نہ کر سکتا۔ تو آپ اسکو زندہ مان لیتے لیکن ہم دیکھتے ہیں
کہ نبیؐ کی ازواج کو نہ بیوہ کہا گیا ہے نہ ان سے کوئی نکاح کر سکتا، تو
آپ اس کو زندہ مان لیتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نبیؐ کی ازواج کو نہ بیوہ کہا
گیا ہے نہ ان سے کوئی نکاح کر سکتا ہے۔ آپ کم از کم یہی صورت دیکھ
کر حیاتِ نبیؐ کے قائل ہو جاتے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ احیاء کے معنیٰ

(مردہ قوموں کو) زندہ کرنے والے کے ہیں۔ اور اس کی مثال میں اُذُنٌ اور لوٗ کو پیش کرنا یہ آپ ہی کی قابلیت ہے جس پر ہم کو تبصرہ کرنا ہے مگر اس سے پہلے یہ دکھانا ضروری ہے کہ آپ رقم طراز ہیں کہ "اسم یعنی اسم فاعل کی مثال ۱۰/۶ میں مذکور ہے کہ کافر کہتے ہیں۔ یہ رسول کان ہیں۔ ویقولون ھو اُذُنٌ۔ حالانکہ قرآن مجید موجود ہے۔ پارہ ۱۰ سورۂ توبہ رکوع ۸، ۹ میں جس کا دل چاہے دیکھ لے کہ کہنے والے کافر نہیں ہیں بلکہ وہ بدنصیب ہیں جو اپنی مومنیت کے مدعی ہیں لیکن انکا کردار مومنیت کا نہیں۔ آپ نے ان کی پردہ پوشی کرتے ہوئے ان کی بات کافروں پر ڈال دی۔ ان لوگوں کا ذکر مسلسل چل رہا ہے۔ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ۝ اور وہ قسم کھاتے ہیں اللہ کی اس پر کہ وہ یقیناً تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ ایک ڈرپوک گروہ ہے۔ کیسے یہ لوگ کون ہوئے؟

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ۝ اگر یہ لوگ کوئی پناہ کی جگہ پا لیتے ہیں یا کوئی غار یا کوئی بھی گھس جانے کی جگہ پا لیتے ہیں تو سرکشی کرتے ہوئے اس ہی طرف بھاگ جاتے ہیں۔

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ۔ ان ہی میں سے

وہ بھی ہیں جو داسے نبیؐ! تم کو تقسیم صدقات کے بارہ میں الزام لگاتے ہیں اگر اس میں سے ان کو دے دیا گیا تو راضی ہیں، نہ دیا گیا تو ایک دم غصہ میں بھر جاتے ہیں۔ یہ کون ہوئے۔ کافر۔ ہرگز نہیں۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

"اور ان ہی میں سے وہ لوگ ہیں جو نبیؐ کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ (نبی) کان ہیں، تم کہہ دو کہ تمہارے لیے تو (نبیؐ)، بہتری کا کان ہے وہ (نبی) اللہ پر ایمان رکھتا ہے، مومنین کی بات بھی مانتا ہے وہ (نبی) رحمت ہے ان کے لیے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان کے لیے عذاب الیم ہے۔"

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝

"وہ تم سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کر لیں حالانکہ اللہ اور رسول زیادہ حقدار ہیں اس کے کہ وہ لوگ ان کو راضی کریں اگر وہ مومن ہیں۔"

ہم نے اُذُن والی آیت اور اسکی ماقبل و مابعد کی آیات سب ہی لکھ دی ہیں۔ ہر ہر لفظ صاف بتا رہا ہے کہ نبی کو اُذُن کہنے والے کافر

نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت مومن نہیں
ہیں۔ اسی لیے قدرت نے ان کے باطن کے اعتبار سے ان کو کافر کہا ہے
ورنہ یہ لوگ تو نماز بھی پڑھتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ بھی کرتے ہیں۔ ان تمام
آیات مذکورۂ بالا سے پہلے کی آیت یہ ہے:۔

وما منعهم ان تقبل منهم نفقاتهم الا انهم كفروا
بالله وبرسوله ولا يأتون الصلوٰة الا وهم كسالى ولا ينفقون
الا وهم كارهون۔ "ان کے (خدا کی راہ میں) خرچ کرنے کو قبول نہ کیا
جانا صرف اس لیے ہے کہ وہ حقیقتاً اللہ اور رسول سے انکار کرتے ہیں۔ وہ
لوگ نہیں آتے نماز میں مگر الکسائے ہوئے اور نہیں خرچ کرتے وہ (خدا کی راہ میں)
مگر ناگواری سے اور ناخوش ہو کر۔" یہ ہے ان کا پورا نقشہ اگرچہ اس سے پہلے
اور اسکے بعد بھی قرآن مجید میں بہت کچھ ہے مگر ہم نے بقدر ضرورت پیش کیا
ہے۔ یہ لوگ کھلے ہوئے کافر نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کو کفروا باللہ وبرسولہ
ان کی دلی حالت کے اعتبار سے کہا ہے۔ ورنہ وہ نمازی بھی ہیں، زکوٰۃ گزار بھی ہیں
آپ کو منافق کہنا چاہیے تھا اور اگر حقیقت کے اعتبار سے کافر ہی کہا تھا تو ان
کے ظاہری حالات کو بھی کچھ نہ کچھ ظاہر کر دیتے۔ مثلاً یہ کہ وہ نماز پڑھتے
تھے نبی سے صدقات حاصل کرتے تھے اور مسلمانوں سے اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے
تھے کہ اے مسلمانو ہم تم ہی میں سے ہیں۔ صرف آپ کے یہ کہہ دینے سے کہ
کافر کہتے ہیں، یہ رسول کان ہے، ہر پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ یہ ان کفار کے
بارے میں کہا جا رہا ہے جو علانیہ رسول کے دشمن اور منکر تھے۔ لیکن لفظ منافق کچھ

قلم سے کیسے لکھا جاتا۔ آپ کا تو مقصود تقریر ہی یہ ہے کہ عہد پیغمبر میں جو لوگ
مسلمان کہے جاتے تھے اور مومنیت کا دعویٰ کرتے تھے نہ ان میں کوئی منافق
تھا نہ کوئی ضعیف الاعتقاد تھا۔ نہ کوئی ڈرپوک تھا وہ سب کے سب راسخ الاعتقاد
اور کامل الایمان تھے۔ ان سب کی شان میں اشداء علی الکفار رحماء
بینهم اور رضی الله عنهم ورضوا عنه فرمایا گیا ہے۔ گویا آپ
کا ایمان اس قرآن پر ہے جس میں منافقین کا ذکر ہی نہیں مذبذبین کا لفظ ہی نہیں یا پھر آپ کی کیفیت
یہ ہے افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض بہرحال آپ نے اُذُن اور نور کی
مثال دیکر اپنی قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ اذن خیر لکم تو خود خدا نے بھی نبی کو کہا ہے اُذُن
کان کو کہتے ہیں چونکہ کان سنتا ہے اسلیے اُذُن کے معنی سننے والے کے ہوئے تو کیا غلطی ہے؟
تعیها اذن واعیة۔ ان چیزوں کو وہ سننے والا سنتا ہے جو سنکر
محفوظ رکھتا ہے یہ قرآن میں موجود ہے۔ کان اور سننے والا تو ایک ہی بات
ہوئی۔ آپ نے یہ محاورہ نہیں سنا۔ "میں نے ہمہ تن گوش ہو کر سنا۔" یا یہ
کہتے نہیں سنا کہ یہ بات ہے میرے کانوں کی سنی ہوئی یہ بات ہے میری
آنکھوں کی دیکھی ہوئی۔ اسی طرح نور کہتے ہیں روشنی کو اور روشنی دوسری چیزوں کو
روشن کرنے والی ہے۔ اس لیے نور کے معنی روشن کرنے والے کے بھی ہوگئے
لیکن احیاء کے معنی زندہ کرنے والے کے کہاں سے آگئے۔ آپ اسکی
مثال اُذُن سے تو اس وقت دے سکتے تھے کہ جب لفظ اُذُن اس شخص کے
بارہ میں کہا جاتا جس کے خود کے تو کان نہ ہوتے بلکہ وہ دوسروں کے کان
لگا دینے والا ہوتا۔ جیسے یہاں حی اور اس کی جمع احیاء، یہ بقول آپ کے

ان لوگوں کو کہا جا رہا ہے جو خود تو حی یعنی زندہ نہیں بلکہ دوسروں کو زندہ کرنے والے ہیں۔

حی صفت مشبہ ہے جس کے معنیٰ ہیں زندہ اور اسکی جمع ہے احیاءٌ اسی طرح میت بھی صفت مشبہ ہے جس کی جمع ہے اموات۔ یہ دونوں لفظ مقابلہ کے ہیں۔ اگر حی کے معنیٰ زندہ کرنے والے کے ہو سکتے ہیں میت کے معنیٰ مردہ کرنے والے کے کیوں نہیں ہو سکتے؟ ضرور ہو سکتے ہیں اور لفظ میت کے معنیٰ مردہ کرنے والے کے ہو سکتے ہیں تو اس لفظ میت کا سب سے زیادہ مستحق خداوند عالم ہوا کیونکہ وہ سب کا مردہ کرنے والا ہے لہٰذا خدا کو حی کے ساتھ میت بھی کہیے۔ بلکہ خود خدا کو کہنا چاہیے هو الحيّ المميت القيّوم۔ صفت مشبہ کے بائیں تئیں اوزان ہیں۔ لفظ نبی اور رسول بھی صفت مشبہ ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک بقاعدۂ عربی حی کے معنیٰ حی کرنے والے کے ہو سکتے تو نبی اور رسول کے معنیٰ نبی اور رسول کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں تو نبی اور رسول کہلانے کا مستحق سب سے زیادہ خداوند عالم ہوا جس نے ہزاروں نبی اور رسول کر دیے۔ حبلیٰ بھی صفت مشبہ ہے جس کے معنیٰ ہیں حاملہ عورت، مگر آپ کے عربی قاعدہ سے اس کے معنیٰ ہوتے حاملہ کرنے والی عورت جو خود حاملہ نہ ہو۔ جُنُب بھی صفت مشبہ ہے، مُحتلِم کو کہتے ہیں۔ مگر آپ کے عربی قاعدہ سے اس کے معنیٰ ہوتے دوسروں کو جُنُب کر دینے والا جب کہ خود پاک ہے۔ عطشان، پیاسا بھی صفت مشبہ ہے

مگر آپ کے عربی قاعدہ سے اس کے معنیٰ دوسروں کو پیاسا کرنے والا جبکہ خود پیاسا نہ ہو۔ سبحانك هذا بهتانٌ عظيم۔

آپ نے شہید کے زندہ نہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ اگر (احیاء) اس کا معنیٰ زندہ ہوتا تو پہلے نمبر پر نہ شہید کا جنازہ اٹھایا جاتا نہ اسے دفن کیا جاتا، نیز نہ شہید کی بیوی بیوہ کہلاتی نہ اس سے کوئی نکاح کر سکتا اور نہ شہید کی وراثت تقسیم ہوتی۔ فلہٰذا احیاءٌ کے معنیٰ زندہ نہیں"

یہ بتائیے کہ آپ کو شہید کے مردہ ہونے کا یقین، اس کا جنازہ اٹھنے، اس کے دفن ہونے، اس کی بیوی کے بیوہ کہلانے اور نکاح نہ کر سکنے اور اس کی وراثت کے تقسیم ہونے پر ہوا یا اس کے مردہ ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد یہ سب کچھ ہوا۔ کہ جنازہ اٹھایا گیا، دفن کیا گیا۔ وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں یقینِ مرگ کے بعد ہوئیں لہٰذا لائق ذکر وہ چیز ہوئی جس سے موت کا یقین ہوا۔ اور وہ ظاہر یہی ہے کہ سانس نہ رہا، نبض نہ رہی، دل کی حرکت نہ رہی۔ وغیرہ ذالک، تو آپ کی تقریر کا یہ مطلب ہوا کہ شہید زندہ ہوتا تو سانس چلتا رہتا۔ نبض چلتی رہتی۔ دل کی حرکت جاری رہتی، اور جب یہ سب کچھ رہتا تو کچھ افاقہ کے بعد وہ کھڑا بھی ہوتا۔ چلتا پھرتا، کھاتا پیتا ہنستا بولتا اور دوسروں کی طرح سے زندگی بسر کرتا۔ پھر آپ سمجھتے کہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے نا آپ کا۔ تو جناب والا!

یہ شہید اپنے قتل ہونے سے پہلے تو یقیناً زندہ تھا اور آپ اسکو

زندہ سمجھ رہے تھے۔ اگر اس وقت جبکہ وہ زندہ تھے کوئی آیت ان کے بارے میں آکر کہتی کہ دیکھو ان لوگوں کو مردہ نہ کہنا یہ زندہ ہیں تو اس وقت کا یہ کہنا تو صحیح ہی ہوتا، کوئی غلط بات تو نہ ہوتی۔ لیکن ہر شخص یہ کہتا کہ یہ کہنے کی بات کیا تھی؟ کیوں کہی گئی؟ ان چلتے پھرتے کھاتے پیتے، بولتے چالتے آدمیوں کو مردہ کون کہہ سکتا تھا جو یہ بات بالکل عیاں، بے خطر، بے احتمال سب کے سامنے ہوتی ہے اس کا تذکرہ لغو اور مہمل ہے۔ کہنے کی ضرورت ہی اس وقت پیش آتی ہے جب حالات اور علامات اس بات کی نفی کر رہے ہوں، اور اس کا امکان پیدا ہو گیا ہو کہ ظاہر بین لوگ ان حالات کو دیکھ کر اس حقیقت کی نفی کریں گے جو منفی نہیں ہے۔ شہداء یا شہداء کے زندہ ہونے کی خبر تو اللہ نے اس ہی بنا پر دی ہے کہ جو حالات تم دیکھ چکے ہو ان حالات میں کہ نہ سانس ہے نہ نبض ہے، نہ حرکتِ دل ہے نہ کوئی حس و حرکت ہے۔ اگر تم مردہ سمجھو تو حق بجانب ہے ان موجودہ حالات ہی کی بنا پر تو اس کی ضرورت پیش آئی کہ اب ہم تم کو باخبر کر دیں کہ یہ مردہ نہیں ہیں۔ اب تک تم نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر زندہ سمجھا تھا۔ اب اپنے باخبر خدا کی خبر کو صحیح مان کر زندہ سمجھو۔ آپ کا جو یہ مطلب تھا کہ زندہ ہوتے تو سانس، بھاپ، نبض، دل سب چلتے ہوتے تو یہ سب کچھ ہوتا تو اس وقت تو آپ خود بخود بھی زندہ سمجھتے۔ اللہ کو اس وقت یہ کہنا کیوں ضروری ہوتا کہ مردہ نہ کہنا، مردہ نہ سمجھنا یہ زندہ ہیں جس طرح پہلی زندگی میں اللہ نے نہیں کہا تھا کہ ان کو مردہ نہ کہنا اگر اس زندگی کے بھی وہی حالات ہوتے تو اب بھی نہ کہتا اور کہتا تو اسی

طرح مہمل ہوتا جس طرح پہلی زندگی کی حالت میں ہوتا۔

آپ نے ذبح کیے جانے والے بکرے اور طبعی موت سے مرنے والے بکرے کی مثال دے کر فرمایا ہے کہ جس طرح ذبیحہ کو احتراماً مردہ نہیں کہتے اسی طرح شہداء کو بھی مردہ کہنے سے روکا ہے۔ اس مثال کے دینے میں آپ خود بے مثال ہیں۔ وہاں مردہ اگر نہیں کہتے تو یہ ہمارا عمل ہے۔ یہاں مردہ نہ کہو، مردہ نہ سمجھو یہ خدا کا حکم ہے۔ وہاں مردہ اگر نہیں کہتے تو مردہ سمجھتے ضرور ہیں لیکن یہاں مردہ نہیں سمجھ سکتے۔ مثال تو اس وقت منطبق ہوتی کہ جب ایسا ہی کوئی حکم آیۂ قرآنی سے آپ ذبیحہ کے لیے دکھاتے۔ اور اگر دکھاتے اور قرآنِ حکیم میں کوئی ایسا حکم ہوتا کہ ذبیحہ کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے تو ہم یقیناً اس کو بھی زندہ ہی مانتے۔ چونکہ فقہی مسائل ذبیحہ اور بغیر ذبح کے مرنے والے کے لیے الگ ہیں اس لیے ان مسائل پر آسانی سے عمل کرنے کے لیے اور ان احکام کا محل سمجھنے کے لیے ذبیحہ اور مردہ کے لفظ بولے جاتے ہیں ورنہ ذبیحہ کو کون زندہ سمجھتا ہے، وہ زندہ رہتے تک تو حلال ہی نہیں قرار پاتا۔ اب گزارش ہے کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ تحفظ ناموسِ صحابہ ہمارا فرض ہے اور اس فرض سے ہم کبھی غافل نہیں ہو سکتے تو جناب والا جن شہداء کو اللہ نے زندہ کہا ہے ان کو مردہ کہنے بلکہ مردہ سمجھنے سے بھی روکا ہے، اسلام میں وہ شہداء سب سے پہلے تو صحابۂ کرام ہی ہیں جو رسولؐ کی رفاقت میں مارے گئے۔ اول شہداء صحابہ ہی تو ہیں۔ کیا تحفظ ناموسِ صحابہ کا یہی اقتضاء ہے کہ جو خوشگوار اور پائیدار زندگی اللہ نے ان کو مرحمت فرمائی ہے۔ آپ اس کو چھین رہے ہیں ان کا زندہ

کہنا اور زندہ سمجھنا بھی آپ کو گوارا نہیں حالانکہ اس میں نہ کوئی مالی زحمت ہے نہ کوئی آپ کو جسمانی زحمت ہے نہ مالی اور ذہنی جمع خرچ ہے۔ جب آپ اس سے بھی گریزاں ہیں۔ تو صحابۂ کرام کے لیے آپ کے دل میں کیا گنجائش ہے جو آپ سے ان کے بارہ میں کوئی توقع ہو لفظ صحابہ تو آپ کی زبان پر دنیا کے دکھاوے کے لیے ہے کہ اس منقناطیس سے لوگوں کے دلوں کو کھینچیں اور ہر شخص اس لفظ کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ صحابۂ کرام کے بڑے حامی ہیں۔ بڑے محسن شناس ہیں بڑا درد دین رکھتے ہیں۔ بھلا وہ شخص جو قرآن کریم ہی کو الٹ پلٹ کر رہا ہو۔ رسول کے ارشادات ہی کو کچھ نہ سمجھتا ہو جس کی نظر میں رسولؐ ہی کا وقار نہ ہو وہ صحابہ کی مزور حمایت کرے گا۔ ہزاروں صحابہ شہیدِ راہِ خدا ہوئے، کفار نے ان پر ظلم کیے اللہ نے ان کو پائیدار زندگی دی۔ سب سے پہلا حق حمایت تو انکا تھا جو آپ ادا کرنے کی بجائے چھین رہے ہیں۔ کفار نے ان کے جسموں پر تلواریں چلائیں۔ آپ ان کی حیاتِ جاوداں پر شمشیر زنی کر رہے ہیں۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ آنچہ مسلماں کردند۔

ہم نے آپ کی تحریر میں اس امر کا بھی اندازہ کیا ہے کہ آپ نے شہداء کو زندہ نہیں ہیں، زندہ نہیں ہیں۔ یہ تو بار بار کہا ہے، مگر یہ کہنے سے کہ مردہ نہیں، ایک حد تک پرہیز کیا ہے۔ اس طرح آپ نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ میں اللہ کے اس حکم کی کہ مردہ مت کہو تعمیل کر رہا ہوں۔ حالانکہ یہ تعمیلِ حکم ہرگز نہیں محض ایک شعبدہ ہے

کیونکہ مردہ مت کہو، کے معنی بالکل یہی ہیں کہ یہ مت کہو کہ وہ زندہ نہیں ہیں اور آپ بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ زندہ نہیں ہیں۔ کوئی صاحبِ انصاف بتا سکے کہ "مردہ ہیں" اور "زندہ نہیں ہیں" ان دونوں جملوں میں فرق کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا یہ جملہ "زندہ نہیں ہیں" یہ سمجھنے ہی کی بنا پر تو ہے کہ مردہ ہیں۔ آپ اگر یہ کہہ نہیں رہے ہیں کہ مردہ ہیں لیکن مردہ سمجھ تو رہے ہیں، تو اس حکم کی تعمیل آپ نے کہاں کی کہ مردہ مت سمجھو

بہرحال یہ طول طویل داستان اس لیے سنائی گئی کہ ناظرین کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو جائے کہ صاحبِ مضامین بلاغ القرآن اور تحفظ ناموسِ صحابہ کے علم بردار کہاں تک قرآن اور صحابہ کے ماننے والے ہیں۔ نبی بننے والوں کی بدنامی اور ناکامی دیکھ کر آپ نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیے بغیر نبی آخر کی نبوت اور شریعت کو منسوخ کر رہے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ دین کا ہر شعبہ باری باری مٹا دیا جائے اور ہر دینی راستہ کو آہستہ آہستہ بند کر دیا جائے۔ آج یہ اور کل وہ۔ دوست آپ کسی کے بھی نہیں نہ قرآن کے نہ خدا کے، نہ حدیث کے نہ رسول کے، نہ صحابہ کے نہ اہلبیت کے، نہ تاریخ کے نہ تفسیر کے، اپنی دانست میں آپ باری باری ان میں سے ایک چیز کو دوسری چیز سے ٹکراتے ہیں، اور اس وقت ایک کے حامی بن کر دوسری کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ آہستہ آہستہ سب کو آپ فنا کر دیں۔ آپ نے قرآن کریم کا رشتہ حدیث، تفسیر، سیرت، تاریخ، فقہ اور اجماعِ امت سب سے توڑ دیا کہ قرآن ایک جسم بےجان

ہو کر رہ جائے۔ اور آپ اسی میں حلول کرتے رہیں۔ کوئی ٹوکے گا تو آخر
انہی چیزوں سے جن کا رشتہ آپ پہلے ہی توڑ چکے ہیں۔ اب آپ آزاد
ہیں۔ جس مثبت کو چاہیں منفی کر دیں جسے منفی کو چاہیں مثبت کر دیں۔
امر کو نہی، نہی کو امر، حق کو منفیت، منفیت کو حق۔ مدح کو ذم، ذم کو مدح
مگر دنیا میں ایسی تیز و تند ہواؤں کے جھونکے جانے کتنے چلے اور بالآخر
خود ہی ہوا ہو گئے، حقیقت کا چراغ نہ بجھا سکے ہیں نہ بجھا سکیں گے۔ آپ
قرآن کی نیک نامی، ہر دلعزیزی اور قبولیت عام دیکھ کر اپنے ناکارہ کارخانۂ
فکر کی مصنوعات پر قرآن کا لیبل لگا رہے ہیں تاکہ قرآن کے نام سے
آپ کی دکان خوب چلے۔ جس طرح بڑے بڑے مشہور اور نیک نام کارخانوں
فرموں اور تجارت گاہوں کے صرف نام بڑی بڑی رقمیں دے کر لوگ
خرید لیتے ہیں تاکہ نام کسی کا سودا کسی کا۔ وہاں کم از کم نام والے کی مرضی تو
کسی طرح حاصل کر لی جاتی ہے۔ یہاں قرآن کا مالک اور وارث چونکہ
آنکھوں سے اوجھل ہے اس لیے ان کی مرضی کے بغیر ہی اس نام پر
قبضہ کر لیا گیا جس قرآن کو آپ حدیث سے بے نیاز اور بے تعلق
کر رہے ہیں اس قرآن کی تمام تر حیثیت ہی حدیث سے وابستہ ہے
کچھ بتائیے کہ قرآن نے اتر کر خود کہا ہے کہ میں قرآن ہوں کلام خدا
ہوں۔ ہرگز نہیں۔ قرآن نبی پر اترتا تھا اور نزول کے وقت چاہے
کتنا ہی مجمع نبی کے پاس ہو اور کوئی کتنا ہی نبی سے قریب ہو وحی
کا کوئی حرف نہ سن سکتا تھا۔ حرف کا سننا تو درکنار ایسی کوئی آواز

اور بھنبھناہٹ بھی کوئی محسوس نہ کرتا تھا جس سے کسی کے بولنے اور بات
کرنے کا ہی پتہ چل سکے۔ وحی کا ادراک صرف نبی کو ہوتا تھا اور اس
کے بعد خود نبی اس وحی کا اظہار فرماتے تھے۔ اور آیات کی تلاوت
فرما کر سناتے تھے لیکن اس طرح نہیں کہ جیسے ہم کسی جلسہ کے افتتاح
کے لیے کسی تمہید کے بغیر تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔ بلکہ پہلے اس قسم
کے الفاظ فرماتے تھے کہ مجھ پر وحی آئی ہے، خدائے تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے
الروح الامین یہ کلام خدا لائے ہیں۔ یہی الفاظ قرآن کے قرآن اور کلام
خدا ہونے کی دلیل ہوتے تھے۔ لہٰذا قرآن کا قرآن اور کلام خدا ہونا
بجائے خود حدیث ہے۔ نبی کے ان الفاظ کو ہٹا دیجیے۔ تو پھر قرآن کیا
رہا اسکی تمام تر حیثیت ہی ختم ہو گئی لیکن آپ کو اسکی کیا پروا؟ آپ نے
قرآن کے گھر کو احادیث سے خالی ہی اس لیے کیا ہے کہ اپنی من گھڑت
باتوں سے خانہ پری کریں۔ فیصلتاہم احادیث۔ ہمارے ناظرین مضمون
نگار کی انتہائی جسارت کا ان کی تحریر سے اندازہ لگائیں۔ فرماتے ہیں:-

صحابہ آپس میں لڑنے والے نہ تھے

"محمد رسول اللہ۔ والذین
معہ اشداء علی الکفار
رحماء بینہم۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی (صحابہ) کافروں
پر سخت اور آپس میں رحیم و کریم ہیں۔ اب فیصلہ آپ پر رہا کہ آیات بالا
کی روشنی میں جن ہستیوں نے اللہ کی رضا کے لیے گھربار، مال و دولت
سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت فرمائی اور جو خود فاقے رہ کر بھی دوسروں کی

ضرورت کو ترجیح دینے والے تھے۔ کیا ان کے متعلق یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے حصولِ اقتدار کے لیے جنگِ جمل و صفین کا میدانِ کارزار گرم کیا ہو۔ الی آخرہ"

صاحبِ مضمون نے صحابہ کی خیر خواہی کا نمائشی پہلو دکھاتے ہوئے جنگِ جمل اور جنگِ صفین ہی سے تعلق انکار کر دیا یا کم از کم یہ مطلب ہوا کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین سے صحابہ کا کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ یہ لڑائیاں اگر ہوئیں تو کچھ غیر ذمہ دارانہ غیر صحابہ عام لوگوں میں ہوئی ہوں گی۔ دونوں صورتوں میں مضمون نگار نے تاریخِ عالم کے ایسے یقینی اور مسلم واقعات سے انکار کر دیا۔ جن واقعات کا تعلق کھلے میدانوں سے تھا، لاکھوں مسلمانوں سے تھا، جو صدہا میل سے سفر کر کے آئے تھے، ہزاروں کا خون ہوا تھا، ہزاروں زخمی ہوئے تھے۔ فریقین کی قیادت اسلام کی نامور مشہور و معروف ترین ہستیوں کے ہاتھ میں تھی یہ لڑائیاں باقاعدہ جوش و خروش کے ساتھ لڑی گئی تھیں ان لڑائیوں کا وقوع، ان کا تواتر، ان کی شہرت، ان کا یقینی اور مسلم ہونا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ نبیؐ کا مکہ میں دعویٰ نبوت فرمانا۔ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا۔ کفار سے پے در پے جنگ کا ہونا۔ بالآخر کفار کا مغلوب ہونا اور مکہ کا فتح ہونا۔ مدینہ میں نبیؐ کی وفات کا ہونا اور مدینہ ہی میں دفن ہونا۔ قرآن کو نبیؐ کا کتابِ خدا اور کلامِ خدا فرمانا۔ یہ سب چیزیں ایسی یقینی اور بدیہی ہیں کہ جن سے نہ کوئی مسلم انکار کر سکتا ہے

نہ غیر مسلم۔ اگر جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا واقع ہونا یا صحابہ کی ان لڑائیوں میں شرکت اور قیادت کا ہونا محض ایک افسانہ اور ایک بے حقیقت داستان ہے تو پھر تاریخِ اسلام کا ہر پہلو جن کی مثالیں ہم دے چکے ہیں چاہے وہ کتنا ہی متواتر مشہور اور یقینی سمجھا جاتا رہا ہو۔ غیر یقینی ہے۔ پھر تو جس کا جی چاہے کہہ دے کہ نہ محمدؐ نام کا کہیں کوئی انسان پیدا ہوا، نہ کوئی دعویٰ نبوت ہوا، نہ کسی نے اپنے آپ کو نبی کہہ کر قرآن کو کتابِ خدا کہا، نہ ہجرت ہوئی نہ جہاد ہوا۔ یہ سب کچھ لوگوں نے الحمیان سے بیٹھ کر گھڑ لیا ہے۔ آپ کے نزدیک جب مسلمان اتنا بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں اور یہ جھوٹ سارا عالمِ اسلام مل کر بول سکتا ہے تو پھر ان کی کوئی بھی بات لائقِ وثوق نہیں۔ یہ ساری جماعت معاذاللہ جھوٹ کی پوٹ ہے۔ کیسا دین، کیسی نبوت؟ کیسی وحی! یہ سب افسانہ ہی افسانہ ہو گیا۔ کیا کہنا اس ناصحہ کا۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں تو بہت سے صحابہؓ بھی رہے تھے لیکن ان صاحب نے تو پوری دونوں جنگوں ہی کو ہضم کر لیا۔ وہ اپنی جگہ یہ سوچ کر خوش تو بہت ہوتے ہوں گے کہ دیکھو کیسی کہی اور کہی قرآنِ کریم کی آیت سے کچھ اپنے گھر سے تو نہیں کہی۔

اب ناظرین فیصلہ آپ پر رہا کہ جو شخص اتنے بڑے میدانی اور کارزاری اور یقینی دوہرے واقعہ کو اپنی ایک جنبشِ قلم سے مٹا سکتا ہو اس سے دین ایمان، نبوت قرآن کسی بھی چیز کے باقی

رکھنے کی امید ہو سکتی ہے؟ وہ کسی جگہ بھی راست گوئی سے کام لے سکتا ہے؟ کیا اس ایک دماغ کو صحیح مانا جا سکتا ہے جو ساری دنیا کے مسلمانوں کو پاگل بنا رہا ہو؟

لطف یہ ہے کہ ناموسِ صحابہ کے تحفظ کے علم بردار ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں نہ کوئی صحابی تھے نہ صحابیہ۔ افسوس کہ تحفظِ ناموسِ صحابہ کے تحفظ کے علم برداروں نے یہ بات کہاں سے کہاں پہنچا دی اور کس کس کو صحابیت کے درجۂ عظمیٰ سے اتار دیا۔ ان مسلّم واقعات سے انکار کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ آیۂ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی صداقت اسی صورت میں باقی رہتی ہے کہ صحابہ آپس میں نہ لڑیں۔ اگر ان کا آپس میں لڑنا تسلیم کر لیں تو آیت غلط ہو جائے گی۔ اس صورت میں آپ نے مسلمانانِ عالم کو دو کڑی آزمائش میں مبتلا کر دیا کہ یا تو جنگِ جمل اور جنگِ صفین ان دونوں لڑائیوں کے صحابہ کے درمیان میں ہونے سے انکار کرو یا آیتِ قرآنی کو غلط سمجھو۔ حالانکہ ان میں سے ایک بات بھی لائقِ قبول نہیں۔ آیت کو غلط سمجھا تو رہ گیا۔ ان لڑائیوں سے انکار کیسے ہو جو ایک یقینی حقیقت ہے۔ ان سے انکار تو بالکل ایسا ہے کہ جیسے کوئی ملکِ عرب کے وجود ہی سے انکار کر دے۔ آپ نے عجیب دشواری پیدا کر دی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ صحیح صورت بتائی جاتی کہ نہ آیت کی تکذیب ہوتی نہ الم نشرح اور یقینی واقعات

ہی سے انکار ہوتا۔ اور یہ حل آپ جیسے قابل انسان کے لیے کوئی مشکل بات نہ تھی۔ جو شخص جھوٹ کو سچ کر سکتا ہو اس کے لیے سچ کو سچ کرنا کیا مشکل ہے۔ آپ چاہتے تو کہہ سکتے تھے کہ یہ آیت مردوں کے لیے ہے مستورات کے لیے نہیں ہے۔ اسی طرح آپ چاہتے تو ام المومنین کے لیے علماء مسلمین سے متفق ہو کر کہہ سکتے تھے کہ وہ جنگِ جمل میں خود اپنی مرضی سے نہیں گئی تھیں بلکہ لانے والے اپنی خودکشی سے ان کو خوف زدہ کر کے لائے تھے اور چشمۂ حوأب پر جب متنبہ ہو کر انھوں نے واپس جانا چاہا تو ان کے سامنے باطل شہادتیں پیش کی گئیں اور ان کو واپس نہ ہونے دیا۔ جنگِ صفین کے بارے میں آپ کہہ سکتے تھے کہ آیت اشداء سورۂ فتح کی ہے جس کا نزول صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے ہوا ہے۔ اور اس وقت کے منتخب لوگوں کو اشداء علی الکفار رحماء بینھم کہا گیا ہے جو لوگ اس وقت خود کافر تھے اور مسلمانوں پر بلکہ نبیؐ پر شدت کر رہے تھے۔ ان کا ذکر نہیں ہے۔ جو لوگ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے آیت نے ان کی پیشگی مدح و ثنا نہیں کی ہے نہ وہ آیت کے نزول کے وقت نبیؐ کے ساتھ تھے۔ آپ چاہتے تو یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ آیت ان کے بارے میں ہے جن میں آیت کے بیان کردہ صفات پہلے سے موجود تھے کیونکہ آیت نے ان کو صفات نہیں دیے بلکہ صفات موجودہ کا بیان کیا ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس وقت اور جس زمانہ میں

جسیں کو نبیؐ کے ساتھ دیکھ لو ان کو اشداءُ علی الکفار اور رحماء بینھم سمجھ لو۔ بلکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ جن کو اشداء علی الکفار اور رحماء بینھم پاؤ سمجھ لو کہ وہی حقیقتاً نبیؐ کے ساتھ ہیں۔

آپ کی عبارت "جن ہستیوں نے اللہ کی رضا کے لیے گھر بار مال و دولت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت فرمائی —

— کیا ان کے متعلق یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے حصولِ اقتدار کے لیے جنگِ جمل و صفین کا میدانِ کارزار گرم کیا ہو؟"

اس ترکیب سے آپ ہجرت کا شرف جنگِ صفین کا میدانِ کارزار گرم کرنے والوں تک لانا چاہتے ہیں۔ اور غالباً اس سہارے پر کہ وہ بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آ بسے تھے۔ لیکن یہ اس قرآنِ کریم کی انتہائی مخالفت ہے جس کی انتہائی حمایت کا آپ دم بھرتے ہیں۔ اللہ نے مہاجرین ان کو کہا ہے جو اپنے گھر بار، مال و دولت سے نکالے گئے۔ جن کو کفار کے مظالم نے گھر بار چھوڑنے پر مجبور کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا ہے :-

للفقراء المهاجرين الذين اُخرجوا من ديارهم و اموالهم - یہ حق ان نادار مہاجرین کا ہے، جن کو ان کے گھروں سے اور اموال سے نکالا گیا ہے۔

ہجرت کا یہ سلسلہ جس کی تشخیص اور تعیین آیتِ قرآنی کر چکی ہے یعنی زبردستی نکالا جانا فتح مکہ سے پہلے پہلے رہا۔ اور

جب کہ فتح ہو گیا اور وہ لوگ خود ہی مسلمان ہو گئے تھے تو جو نکال رہے تھے اس وقت یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد جو لوگ اپنی خوشی سے مدینہ آ کر بس گئے تھے ان کو تارکِ وطن تو کہا جا سکتا ہے لیکن مہاجر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب خود ان لوگوں میں سے کسی نے اپنے ترکِ وطن کرنے کی بنا پر اپنے آپ کو مہاجر کہنے کی کوشش کی تھی ان کو بیانِ قرآنی کی روشنی میں یہ کہہ کر ٹوک دیا گیا تھا۔ لیس الھجرۃ بعد الفتح۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ یہ لوگ مہاجرین کی برابری نہیں کر سکتے۔ نہ ان کا ایمان ان کے ایمان کی برابری کر سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم فرماتا ہے۔ سورۂ حدید رکوع ۱ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃً من الذین انفقوا من بعدُ وقاتلوا الخ۔ "تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے (راہِ خدا میں) خرچ کیا اور قتال کیا اور وہ لوگ جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال کیا برابر نہیں ہیں۔ بلکہ پہلے کے خرچ کرنے والے اور قتال کرنے والے درجہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ عظیم ہیں۔

اب ناظرین پر یہ فیصلہ رہا کہ صاحبِ مضمون نے اپنی عبارت سے "جن ہستیوں نے اللہ کی رضا کے لیے گھر بار، مال و دولت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہجرت فرمائی" بھولے بھالے مسلمانوں کو کیا

سخت مغالطہ دیا ہے۔ فتح مکہ کے بعد آنے والوں کو کس نے ان کے گھروں سے نکالا۔ اور کس نے ان کا مال و دولت چھین لیا۔ اُن پر تو نبیؐ نے اتنی مہربانی کی جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں مل سکتی۔ جنہوں نے سالہا سال سے میدانِ کارزار گرم کر رکھے تھے۔ نبیؐ کو اور مسلمانوں کو وطن سے منتقل ہوجانے پر مجبور کیا تھا۔ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی تھی۔ نبیؐ کو زخمی کیا تھا۔ صاحبِ خلقِ عظیم نے اذھبوا انتم الطلقاء فرما کر سب کو چھوڑ دیا۔ خود ان کے گھروں کو دوسروں کے لیے پناہ گاہ قرار دے دیا۔ فتح مکہ کے بعد جنگِ حنین ہوئی۔ دنیا جانتی ہے کہ اس جنگ میں ان کا کارنامہ کیا تھا۔ لیکن اس جنگ کے عظیم اور کثیر مالِ غنیمت سے سب سے زیادہ حصہ بنظرِ تالیفِ قلوب ان کو دیا گیا جس کو لے کر یہ مکہ پہنچے۔ کیونکہ اس وقت تک یہ لوگ مدینہ نہ گئے تھے۔ اور جب مہاجرین و انصار نے اس مالِ غنیمت سے مکے رہنے والوں کو مالا مال اور اپنے آپ کو خالی ہاتھ دیکھ کر کچھ محسوس کیا تو نبیؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ یہ لوگ تو اپنے گھر مال و دولت لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں کی طرف اپنے نبیؐ کو لے کر جاؤ۔" یہ سنکر ان لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

جب آپ نے بلاغ القرآن یعنی تبلیغ القرآن کا کام سنبھالا ہے تو قرآن کے ہر پہلو کی تبلیغ کیجیے۔ ہر آیت کی تبلیغ کیجیے اور اپنے

معتقدین کو بتایئے کہ عہدِ رسولؐ کے مسلمان از روئے قرآن کئی قسم کے تھے۔ ایک وہ تھے جو بدل وجان ایمان لائے تھے۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ ان کی مدح و ثنا جا بجا قرآن مجید میں ہے۔ قرآنِ کریم نے ان کی آراستہ صورتوں کو دکھایا ہے۔ تاریخ اسلامی ان کے کردار سے بھی ہے۔ کس کی مجال ہے کہ ان کے چہروں کو داغدار کر سکے۔ یا ان کی سیرتِ مقدسہ پر حملہ کر سکے۔ ان کی شان میں

اشدّاء علی الکفار رحماء بینھم

ان کی شان میں

والذین اٰمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولٰئک ھم المؤمنون حقاً لھم مغفرۃ ورزق کریمٌ

"وہ لوگ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد ہجرت کی، خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے مسلمانوں کو جگہ دی اور نصرت کی وہ حقیقتاً مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور بہترین رزق ہے۔"

ان کی شان میں

للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم – الخ پوری آیت آئی ہے۔

اپنے معتقدین کو یہ بھی بتایئے کہ خود ان مہاجرین و انصار میں بھی فرقِ مراتب ہے۔ کسی کی قوتِ ایمانی کسی سے زیادہ ہے۔ چنانچہ

پارہ ۱۱ سورۂ توبہ رکوع ۱۳ میں ارشاد ہوتا ہے :-

لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منہم ثم تاب علیہم انہ بہم رؤف رحیم۔

"اللہ نے نبیؐ کی اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ کو قبول کر لیا جنھوں نے کٹھنائی کے وقت نبیؐ کی پیروی کی جب کہ ان میں سے ایک فریق کا دل قریب تھا کہ کج ہو جائے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ کو قبول کیا۔ یقیناً اللہ ان پر مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔"

قدرت نے یہ فرما کر کہ مہاجرین و انصار میں سے ایک فریق کا دل قریب تھا کہ کج ہو جائے، یہ ظاہر کر دیا کہ ایک فریق ایسا محکم اور استوار ہے کہ کجی اس کے قریب بھی نہیں ہے۔ یہیں سے ان میں فرقِ مراتب قائم کر دیا گیا۔

ان ہی مہاجرین و انصار میں سے کچھ حضرات کو السابقون الاولون کہا گیا ہے۔

السابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوہم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ واعدلہم جنٰت تجری تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا ذالک الفوز العظیم۔

"اور مہاجرین و انصار میں سے جو سابق اور اول ہیں اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے اللہ ان سے اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لیے وہ جنتیں مہیا کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔"

آیت صاف بتا رہی ہے کہ مہاجرین و انصار سب ہی سابق اور اول نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض ہیں۔ سب تو سابق اور اول اس وقت ہوتے جب وہ سب ایک ساتھ ایمان لائے ہوتے۔ ایسا نہیں ہوا۔ ان کے ایمان لانے میں برسوں کا فاصلہ بھی ہو گیا ہے۔ غرضکہ ان حضرات صحابہ میں بھی ترتیبِ درجات اور فرقِ مراتب آیاتِ قرآنیہ دکھا رہی ہیں۔ مومنین کے علاوہ ایک گروہ منافقین کا ہے جن کے ذکر سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔ مشکل ہی سے کوئی حصہ قرآن کریم کا ایسا ہوگا جس میں ان کا ذکر نہ ہو۔ ان منافقین میں سے کچھ تو کچے لوچے اور ہلکے پیٹ کے تھے جو اپنے رازِ نفاق کو چھپائے رکھنے سے بعض اوقات بے بس ہو جاتے تھے اور ایسے حرکات کر بیٹھتے تھے جن سے ان کی منافقت کا راز کھل جاتا تھا۔ اور مومنین سمجھ جاتے تھے کہ یہ لوگ منافق ہیں لیکن کچھ منافقین ایسے محتاط اور بھاری پیٹ کے تھے جو کسی طرح اپنے نفاق کی ہوا بھی کسی کو نہ دیتے تھے۔ وہ ایسے چھپے ہوئے رستم تھے کہ مومنین تو مومنین اگر وحی آکر نہ

بتلائے تو نبیؐ کی دور رس نگاہیں بھی ان کی منافقت سے بے خبر اور
لاعلم رہ جائیں۔ جیسا کہ خداوند عالم پارہ ۱۱ سورۂ توبہ رکوع ۱۳ اس
فرماتا ہے:-

ومِمَّن حولکم من الاعراب منافقون ومن
اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم
نحن نعلمھم ۔ الخ۔ یعنی تمہارے گرد و نواح میں جو
عرب صحرائی ہیں وہ منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے بھی
یہ لوگ نفاق پر جم گئے ہیں۔ (اے نبیؐ) تم ان کو نہیں
جانتے، ان کو تو ہم ہی جانتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنے نفاق پر اتنا گہرا پردہ ڈالے ہوئے تھے
سادہ لوح مومنین تو ان کو اپنی ہی طرح کا مومن سمجھتے تھے۔ وہ لوگ سچے
اور اچھے مومنین کی طرح ہر جگہ ہوتے تھے۔ نبیؐ کے پاس آنے جانے
اٹھنے بیٹھنے میں وہ کسی سے کم نہ تھے لیکن ظاہر ہے کہ وہ صحابہ تو
صحابہ وہ لوگ مومن بھی نہ تھے۔ اسی وجہ سے یہ نکتۂ قرآنی لائق توجہ
ہے کہ اس میں تو شک نہیں کہ قرآن کریم میں جا بجا صحابۂ کرام کی مدح و
ثنا موجود ہے۔ اور ایسی کہ اس سے زیادہ تو کیا اسکی برابر بھی کوئی
کیا کر سکتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے ان کی مدح، ان کی مدح، انکے
صفات اور کمالات دکھاتے ہوئے کی ہے ان کو صحابہ یا اصحاب
کہہ کر مدح نہیں کی حالانکہ وہ حضرات اس حیثیت سے بھی کہ اکثر

ساتھ رہتے تھے اور اس حیثیت سے بھی کہ نبیؐ کے ناصر اور مددگار
تھے۔ اس لفظ کے پورے طور پر مستحق تھے اور مستحق بھی ہیں لیکن کوئی
وجہ ضرور ہے کہ قرآن نے ان کی مدح کے لیے اور ان کی مدح کے
مقام پر یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے نبیؐ
سے پہلے بھی کسی نبی کے فرمانبرداروں اور مددگاروں کو بطور لقب یہ
لفظ نہیں دیا۔ حالانکہ قرآن کریم میں بہت سے انبیاء ہیں جن پر ایمان
لانے والوں کا جا بجا تذکرہ ہے۔ نبی اور ان کے فرمانبرداروں اور
مددگاروں کے درمیان جو گفتگو ہوتی رہی تو وہ بھی بیان کی گئی ہے
مگر اول سے آخر تک کہیں بھی (لفظِ صحابہ) اس لفظ کو لقب یا ثنا
کے اعتبار سے استعمال نہیں کیا گیا۔ ہمارے مضمون نگار بتائیں
کہ یہ لفظ جب قرآن میں بحیثیت لقب آیا ہی نہیں اور آپ کی نظر
صرف قرآن پر ہے۔ تو پھر قرآنی الفاظ چھوڑ کر آپ تحفظ ناموس
سابقین اولین کہتے تو کیا یہ زیادہ اچھا نہ ہوتا۔

صحابہ یا اصحاب جمع ہے صاحب کی لفظ صاحب تنہا کوئی معنی
نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کا کوئی مضاف الیہ نہ ہو جو یہ بتا
سکے کہ کس کا صاحب یہ مضاف الیہ کبھی لفظاً ہوتا ہے، جیسے
اصحاب رسول، کبھی لفظاً نہیں ہوتا، جیسے صرف صحابہ جس سے مراد
ہے صحابۂ رسول۔ اس لفظ کے استعمال کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ
کہ یہ لفظ مضاف اور مضاف الیہ کی یکجا موجودگی اور ایک کا

دوسرے کے کسی جگہ ساتھ ہونا ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جائے
اس حیثیت سے یہ لفظ صرف اس وقت استعمال ہو سکتا ہے۔
جبکہ مضاف اور مضاف الیہ دونوں کسی جگہ ایک ساتھ موجود ہوں
اس وقت آپس میں ہر ایک اپنے ساتھ والے کا صاحب ہے
اس کی مثالیں آئندہ دیکھیے گا۔ دوسری حیثیت اس لفظ کے
استعمال کی یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ وہ دونوں ایک جگہ
اور ایک ساتھ ہوں یا نہ ہوں ہر حالت میں کسی فرد واحد کو یا کسی جماعت
کو کسی کا صاحب یا کسی کے اصحاب کہا جاتا رہے۔ ان دونوں میں
کتنا ہی بُعدِ مکان یا بُعدِ زمان ہو۔ یہاں تک کہ چاہے ایک متوفیٰ
اور دوسرا زندہ ہو۔ ہر حالت میں کسی کو کسی کا صاحب یا کسی کے
اصحاب کہا جائے۔ اس دوسری صورت میں یہ لفظ ایک مستقل
لقب قرار پا گیا جس سے کسی وصفی کیفیت کا اظہار مقصود ہو۔
آج کل اس دوسری ہی حیثیت میں یہ لفظ صحابۂ کرام کیلئے استعمال
ہو رہا ہے۔ اور اس دوسری ہی حیثیت میں اس لفظ کا استعمال صحابہ
کرام کے لیے قرآن میں نہیں ملتا۔ پہلی حیثیت میں تو یہ لفظ قرآن
کریم میں کسی نہ کسی کے لیے آتا رہا ہے یعنی جس وقت مضاف اور
مضاف الیہ دونوں ایک ہی جگہ موجود ہوں تو وہاں اگر ایک ہے
تو اسکو صاحب دو ہیں تو صاحبین اور کئی ہیں تو اصحاب کہا گیا
ہے لیکن مستقل حیثیت میں یہ لفظ لقب اور صفت قرار دیکر

قرآن کریم نے کہیں کہیں استعمال ضرور کیا ہے لیکن کسی نبی کی اُمت یا
اس کے فرماں برداروں اور مددگاروں کے لیے استعمال نہیں کیا۔ ہاں
جس وقت کوئی نبی کے ساتھ ایک جگہ موجود ہے تو اس حالت میں
صاحب یا کئی ہیں تو اصحاب کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اس لفظ
کا استعمال جب کہ نبی مضاف الیہ ہو۔ ہماری نظر میں اس کی دو مثال
ہیں۔ ایک تو ثانی اثنین اذ هما فی الغار اذ یقول لصاحبه
لا تحزن انّ اللہ معنا۔ نبیؐ جب دو میں کے دوسرے تھے
جب کہ دونوں غار میں تھے، جبکہ نبیؐ اپنے ساتھ والے سے
کہتے تھے کہ غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں لفظ
صاحبہ دونوں کی یکجائی موجودگی کی حالت میں کہا گیا اور یہ لفظ اسی
پہلی حیثیت میں استعمال کیا گیا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا
ہے۔ دوسری مثال اس موقع کی ہے کہ جب حضرت موسیٰ
کو حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو راتوں رات لے جاؤ۔ اور دیکھو تمہارا
پیچھا ضرور کیا جائے گا۔ لیکن تم مطمئن رہو۔ پارہ ۱۹ سورۂ شعراء رکوع ۴
واوحینا الی موسیٰ ان اسر بعبادی انکم متبعون
اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ تم میرے بندوں کو رات میں نکال
لے جاؤ۔ یہ ضرور ہے کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔
ناظرین! یہ دیکھتے ہوئے چلیے کہ یہاں یہ لفظ نہیں ہے کہ ہم
نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنے اصحاب کو نکال کرلے چلیے۔ کیونکہ اس

وقت یہ سب لوگ موسیٰ کے ساتھ ایک جگہ موجود تھے۔ اس کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ فاتبعوھم مشرقین۔ پس (فرعون اور اسکی جماعت) انہوں نے ان کا صبح ہوتے پیچھا کیا۔ فلما تراءَ الجمعٰنِ قال اصحاب موسیٰ انّا لمدرکون۔ پس جس وقت دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھ والے بولے کہ ہم یقیناً پکڑے گئے۔ قال کلّا انّ معی ربی سیھدین۔ موسیٰ نے کہا، ہرگز نہیں۔ میرے ساتھ اللہ ہے وہ مجھے راستہ دے دے گا۔ کیونکہ آگے دریا تھا۔ اس مقام پر جو جماعت حضرت موسیٰ کے ساتھ تھی اس کو اصحاب موسیٰ کہا گیا ہے اور یہ لفظ اپنی ہی حیثیت میں استعمال ہوا ہے۔ کسی لقب یا مدح و ثنا یا اظہار عظمت کے اعتبار سے نہیں اگر یہ لفظ ان لوگوں کا لقب قرار دیا گیا ہوتا تو نکال لے جانے کے حکم کے وقت بھی یہ لفظ آتا۔ اس کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ وانجینا موسیٰ ومن معہٗ اجمعین۔ ہم نے موسیٰ کو اور جو ان کے ساتھ تھے سب کو نجات دی۔ یہاں بھی لفظ اصحاب نہیں آیا۔ حالانکہ وہ سب ساتھ بھی تھے۔ مگر پھر بھی بار بار اصحاب نہیں کہا۔ بار بار کہا جاتا تو یہ خیال ضرور پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ لفظ ان کے لیے شاید مخصوص ہی ہو۔ غرضکہ یہ سب لوگ دریا پار ہو گئے۔ ان کا گذر ایسی قوم کی طرف ہوا جو اپنے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا پاٹ کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل بولے "اے موسیٰ آپ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک خدا بنا دیجیے جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ تم تو ایک جاہل قوم ہو۔"

وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علیٰ قوم یعکفون علیٰ اصنام لھم قالوا یاموسیٰ اجعل لنا الٰھاً کما لھم آلھۃ قال انکم قوم تجھلون ۵ پارہ ۹۔ الاعراف رکوع ۱۶

"ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار کر دیا تو وہ ایسی قوم پر پہنچے جو اپنے اصنام کی پوجا میں جمے بیٹھے تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسیٰ آپ بھی ہمارے لیے ایسا ہی ایک خدا بنا دیجیے۔ جیسے ان کے خدا ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ایک جاہل قوم ہو۔"

یہاں اس گروہ بنی اسرائیل کو پھر اصحاب موسیٰ نہیں کہا۔ حالانکہ یہ لوگ بدستور موسیٰ کے ساتھ ہیں۔ اس واقعے سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جس قوم کے عقیدۂ توحید اور معرفتِ خدا کا یہ حال ہو کہ وہ بتوں کی طرح کا ایک خدا اپنے لیے بھی بنوانا چاہتی ہو اور وہ قوم بقولِ قرآن اور بقولِ موسیٰ نری جاہل ہو، اس قوم کو اعزاز اور شرف بخشی اور لقب کی حیثیت سے خداوندِ عالم اصحابِ موسیٰ کیسے کہہ سکتا تھا۔ صرف اس لیے اصحابِ موسیٰ کہا گیا کہ وہ موسیٰ کے ساتھ تھے۔ اور صرف ایک جگہ کہا۔

حضرت یوسف سے جب قید خانہ میں دو قیدیوں نے تعبیر خواب دریافت کی تو آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے۔ کہا یا صاحبی السجن۔ "اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو۔" اسی طرح دو آدمیوں کا قصہ قرآن کریم نے کسی زمانہ کا بیان کیا ہے۔ ایک کے دو باغ تھے دوسرا اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ باغ والا اپنے ساتھی سے باتیں

کرتا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے مال اور کنبہ کے لحاظ سے بہت بڑھا ہوا ہوں۔ پارہ ۱۵ سورۂ کہف رکوع ۵

واضرب لھم مثلا رجلین جعلنا لاحدھما جنتین۔

"اے نبی! ان لوگوں سے ان دو آدمیوں کی مثال بیان کرو جن میں ایک کو ہم نے دو باغ دیئے تھے۔"

فقال لصاحبه وھو یحاورہ انا اکثر منك مالا واعز نفرا۔

"پس اس نے اپنے ساتھی سے کہا جبکہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا کہ میں تجھ سے مال اور آدمیوں کے اعتبار سے بہت زائد ہوں۔"

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَھُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ قال ما اظن ان تبید ھذہ ابدا۔

"وہ اپنے ساتھی کو لیے ہوئے باتیں کرتا ہوا) اپنے باغ میں داخل ہوا اور اس وقت وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہا تھا، بولا مجھے یہ گمان بھی نہیں کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا۔"

وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً۔ الخ

"میرا تو یہ گمان بھی نہیں کہ قیامت آئے گی۔"

قال لهٗ صاحبهٗ وھو یحاورہٗ اَكَفَرْتَ بِالَّذِي خلقك من تراب۔ الخ

"اس باغ والے سے اس کے ساتھی نے کہا، جبکہ وہ اس سے

باتیں کر رہا تھا۔ کہ کیا تو اس ذات کا منکر ہو گیا جس نے تجھے خاک سے پیدا کیا۔"

غرض کہ اس واقعہ میں بھی ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا صاحب کہا گیا ہے۔ کیونکہ ساتھ ساتھ تھے۔ ہماری تمام گفتگو کا خلاصہ پھر ایک بار یہ ہے کہ ہمارے نبی ہوں یا کوئی بھی نبی ہو، کسی نبی کے فرماں برداروں کو قرآن مجید میں اس نبی کے اصحاب اس حیثیت سے نہیں کہا گیا کہ وہ ساتھ ہوں یا نہ ہوں، نبی کی حیات میں اور بعد حیات ہر حالت میں ان کو اصحاب نبی کہا جائے۔ البتہ لفظ صاحب کا استعمال قرآن مجید میں خود نبی کے لیے مستقل حیثیت میں ہوا ہے۔ جیسے سورۂ سبا رکوع ۵ میں مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ یا جیسے سورۂ النجم میں مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی یا سورۂ تکویر میں وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۔ یہاں لفظ "صاحب" سردار اور رہنما اور مالک کے معنی میں ہے۔ جیسے کسی کو صاحب خانہ اور صاحب دولت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حضور پوری قوم کے صاحب ہیں خواہ قوم کے ساتھ موجود ہوں یا قوم سے جدا ہوں، اور تنہا ہوں۔ ہر حالت میں آپ قوم کے سردار ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ نبی کے فرماں برداروں کو اگر اصحاب نبی نہیں کہا گیا، لفظ معہٗ تو کسی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی وہی اصحاب کے ہیں۔ اس کے بارہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ لفظ اصحاب

کو ایک لقب کی حیثیت میں سمجھا جا سکتا تھا۔ لیکن لفظ معہٗ کو کوئی بھی
لقب نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرے یہ کہ لفظ معہٗ جہاں کہیں قرآنِ مجید
میں آیا ہے وہاں نبی کے ساتھ والوں کے ایسے صاف اور صریح صفات
بیان کیے گئے ہیں جن سے بآسانی معیت اور ساتھ ہونے کا معیار
اعلیٰ معین ہو جاتا ہے۔ مثلاً والذین معہٗ اشداء علی
الکفار الخ وہ لوگ جو نبی کے ساتھ ہیں وہ کفار پر شدید ہیں۔ کفار
پر شدت کا مظاہرہ میدانِ کارزار میں ہوتا ہے اس معیار پر صحیح معیت
اور ساتھ ہونے کا فیصلہ آسان ہے یا جیسے فرمایا ہے۔ انما المومنون
الذین امنوا باللہ و رسولہٖ و اذا کانوا معہٗ علیٰ امرٍ جامعٍ
لم یذھبوا۔ مومنین صرف وہ ہیں جو خدا پر ایمان لاتے ہوں اور
اس کے رسول پر۔ اور جب وہ کسی ایسے امر میں رسول کے ساتھ ہوں جس
میں ان کی موجودگی ضروری ہو تو وہ وہاں سے کبھی گئے ہی نہیں۔ جب
تک کہ رسول سے اذن نہ لیا ہو۔ یہاں بھی معیت کا معیار واضح کر دیا
گیا۔ اور ان دونوں آیتوں میں یہ بتلا دیا گیا کہ معہٗ سے مراد وہی حضرات
ہیں جو کفار پر شدید ہیں اور جو میدانِ قتال سے اذنِ رسولؐ حاصل
کیے بغیر کبھی ہٹے تک نہیں۔ غرضکہ لفظ معہٗ کا استعمال قرآن کریم
میں ہر جگہ معیارِ معیت کی پوری وضاحت کے ساتھ ہوا ہے۔

یہاں یہ سوال خود بخود پیدا ہو جاتا ہے کہ جب قرآن کریم نے
نبیؐ کے فرماں برداروں کے لیے لفظ اصحاب استعمال ہی نہیں کیا تو آخر

یہ لفظ قرآنی الفاظ سے جو اُن کے لیے استعمال ہوئے ہیں اتنا زیادہ کیوں
چمک گیا کہ اس کے سامنے قرآن کے استعمال کیے ہوئے سب لفظ
ماند پڑ گئے۔ عہدِ نزولِ قرآن میں ایمان لانے والوں کے لیے
لفظ مومنین و مسلمین ایک عام لفظ تھا۔ ان عام لفظوں کے علاوہ
کچھ الفاظ اہلِ ایمان کے امتیازی درجات کے لیے تھے۔ جن میں کا
ہر لفظ ایک خاص درجہ یا طبقہ سے مخصوص تھا۔ قبولِ ایمان کی
جنھوں نے پہل اور سبقت کی وہ قرآنی لب و لہجہ میں سابقین اولین
کے جاتے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے پہلے ہجرت کرنے والے مہاجرین
کہلاتے تھے۔ مدینہ والے انصار کہلاتے تھے۔ شرفِ زوجیتِ نبیؐ
پانے والی بی بیاں ازواجِ نبیؐ اور امہات المومنین کہلاتی تھیں۔ نبیؐ
کے گھرانہ کو اہلِ بیت کہا جاتا تھا۔ یہ تمام الفاظ قرآنی ہیں اور باہمی
امتیاز کے لیے یہی الفاظ زبانوں پر تھے۔ فتح مکہ کے بعد ایک نئی
جماعت اطاعتِ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوئی جبکہ وہ اس
سے پہلے نبیؐ اور مسلمانوں کو سخت ترین اور پے در پے اذیت پہنچا
چکی تھی۔ اور نبیؐ نے اس جماعت کو جو ہر طرح سخت سزا کی مستوجب
تھی اذھبوا انتم الطلقاء فرما کر رہا کر دیا تھا اور جنگِ حنین
کے کثیر اموالِ غنیمت سے ان کو بنظرِ تالیفِ قلوب مالِ غنیمت
کا بیشتر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اس لیے یہ لوگ طلقاء اور مؤلفۃ القلوب
کے جانے لگے۔ ظاہر ہے کہ ان پہلے والے تمام امتیازی القاب

کے مقابلہ میں یہ دونوں لفظ "طلقاء"، "مولفۃ القلوب"، گھٹیا اور پست
تھے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ ان بلند مرتبہ الفاظ میں سے ان کے لیے
کسی ایک لفظ میں بھی گنجائش نہ تھی۔ زمانہ سازگار ہو جائے تو کوئی
انسان پستی میں پڑا رہنا پسند کر سکتا ہے۔ زمانہ موافق ہو تو خیال
آنا کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ہم کسی سے کم کیوں رہیں۔ ممکن ہے کہ
اس تخیل نے کسی ایسے ایک لفظ کی تلاش پر مجبور کیا ہو جس میں
یہ بھی سما سکیں۔ اور وہ سب بھی اور وحدتِ لفظ سب کو برابر
کر دے۔ نہ کسی کو کسی پر بلندی رہے نہ پستی۔ ظاہر ہے کہ وہ
ایک لفظ، لفظِ صحابی ہی ہو سکتا ہے جس سے سابقین، اولین،
مہاجرین، انصار، اہل بیت، طلقاء، یہ تفریق ہی ختم ہو گئی، اور
صورتِ حال یہ ہو گئی کہ وہ کون صحابی، یہ کون صحابی۔ اُدھر کون
صحابی، اِدھر کون صحابی۔ پستی، بلندی، اولیت، بعدیت سب
ختم ہوئی۔ لیکن قرآن کریم اولیت و بعدیت کا تفاوت قائم
رکھنا چاہتا ہے۔ پارہ ۲۷، الحدید، رکوع ۴۔

لا یستوی منکم من انفق قبل الفتح وقاتل اولئک
اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا

فتح مکہ سے پہلے کے خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے اور
قتال کرنے والے اور فتح کے بعد کے خرچ کرنے اور قتال کرنے
والے دونوں برابر نہیں۔ جو پہلے کے خدا کی راہ میں خرچ کرنے

اور قتال کرنے والے ہیں۔ درجہ میں ان لوگوں سے بہت عظیم ہیں
جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال کیا۔"

اس آیت سے بالکل واضح ہو گیا کہ بعد والے ہزار مومن
ہوں لیکن پہلے والوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور وہ پہلے والے اپنی
جگہ سب ایک درجہ میں نہیں۔ جنگِ اُحد میں جس جماعتِ مسلمین
کو حضور نے پہاڑ کی گھاٹی پر معین کیا تھا اور ان میں سے معدودے
چند کے سوا مسلمانوں کی فتح دیکھ کر اور ان کو مالِ غنیمت لیتا دیکھ کر
سب اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ قرآن کریم نے ان سے خطاب کر کے فرمایا۔

حتیٰ اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر و عصیتم
من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا
و منکم من یرید الاٰخرۃ۔

"تم نے ہمت ہار دی، تم نے امرِ نبیؐ کے بارے میں تنازعہ کیا، تم
نے اپنی محبوب فتح کے بعد جو خدا نے دکھائی نافرمانی کی، تم میں سے
کچھ طالبِ دنیا ہیں کچھ طالبِ آخرت ہیں۔" وہ سب لوگ جو ہٹ گئے
تھے ان کو طالبِ دنیا کہا گیا اور جو قائم رہ کر شہید ہو گئے ان کو
طالبِ آخرت کہا گیا۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ عہدِ پیغمبرؐ کے تمام
مسلمان ایک درجہ میں تھے اور قرآن سب کو ایک سطح پر دیکھ
رہا ہے۔

اب ہم ناظرین کے سامنے قرآن کریم کی کچھ آیات پیش کرتے ہیں

یہ صحابۂ کرام کی انتہائی مدح و ثنا میں ہیں:-

۱- محمد رسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینھم - الخ

"محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور جو اُن کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم و کرم سے پیش آنے والے۔"

۲- والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا و نصروا اولئك ھم المؤمنون حقاً لھم مغفرة و رزق کریم۔

"جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا۔ اور وہ لوگ جنھوں نے مہاجرین کو جگہ دی اور (نبی کی) نصرت کی وہ لوگ یقیناً مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت ہے اور اچھا رزق ہے۔"

۳- والذین امنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم فاولئك منکم۔

"اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تمھارے ساتھ جہاد کیا، پس وہ بھی تم میں سے ہیں۔"

۴- للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلاً من اللہ - الخ

"مال ان تنگ دست لوگوں کے لیے بھی ہے جو

ہجرت کرنے والے ہیں جن کو ان کے گھروں سے اموال سے نکالا گیا ہے۔ وہ اللہ کی مہربانی اور خوشنودی کے طالب ہیں اور مدد کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی یہی لوگ سچے ہیں اور وہ بھی جنھوں نے بے گھروں کے لیے گھر مہیا کیے اور ان کے آنے سے پہلے ہی ایمان لاچکے تھے وہ مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں۔" الخ

۵- ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنة یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون۔

"اللہ نے مومنین سے ان کے جانوں اور مال کو خرید لیا ہے اس عوض میں کہ جنت ان کے لیے ہے۔ وہ راہِ خدا میں قتال کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل کردیے جاتے ہیں۔"

۶- ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفاً کانھم بنیان مرصوص۔

"یقیناً اللہ محبت رکھتا ہے اُن لوگوں سے جو صف باندھ کر خدا کی راہ میں ایسی ثابت قدمی سے قتال کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

آیت کو تھوڑی سی توجہ سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل عیاں ہے کہ قرآن کریم نے مجاہدین کی یہ صفت استقامت اور یہ

ثابت قدمی کسی ایک اور موقع کے لیے عارضی قرار دیکر نہیں بیان
کی۔ بلکہ کہا یہ ہے کہ ان کی یہ ثابت قدمی ایک مستقل صفت
ہے۔ وہ جس میدان میں ہوں گے بنیان مرصوص بنکر قتال کریں گے۔

۷۔ انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذا
کانوا معہ علیٰ امر جامع لم یذھبوا حتیٰ یستاذنوہ

"مومنین تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے
اور جب کبھی بھی وہ ایسے امر کی بناء پر جو مومنین کی موجودگی
چاہتا ہو، نبیؐ کے ساتھ ہوتے ہیں تو وہاں سے نبیؐ کی اجازت
کے بغیر ہرگز نہیں جاتے۔"

امر جامع سب سے زیادہ جہاد و قتال کا موقع ہے۔ اس
آیت میں بھی مومنین کی یہ صفت ان کا مستقل شاہکار قرار
دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ کبھی چلے جائیں اور کبھی نہ جائیں بلکہ کبھی
بھی نہیں گئے اور ہرگز نہیں گئے۔

۸۔ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ
واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو کوئی تجارت اور کوئی خرید و فروخت
اللہ کے ذکر نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے
غافل نہیں کرتے۔"

۹۔ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات

اللہ واللہ رؤف بالعباد۔

"لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو حصول رضاء خدا کے لیے اپنی جان
بیچ دیتے ہیں اور اللہ ایسے بندوں پر مہربان ہے۔"

۱۰۔ والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین
اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ الخ

"مہاجرین اور انصار میں سے جو سابقین اولین ہیں اور وہ جنہوں
نے نیکی کے ساتھ ان کا اتباع کیا، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ
اللہ سے راضی ہوئے۔"

مدح و ستائش کی کثیر آیات میں سے بطور نمونہ دس آیات پیش
کرنے کے بعد آیات قرآنیہ کا دوسرا رُخ بھی دیکھیے:۔

۱۔ ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا
من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم۔ سورۃ نساء رکوع ۹

"اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ تم اپنے آدمیوں کو قتل کرو یا
اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو چند لوگوں کے سوا کوئی بھی اس کی
تعمیل نہ کرتا۔"

۲۔ تری کثیرا منھم یتولون الذین کفروا لبئس ما
قدمت لھم انفسھم ان سخط اللہ علیھم و فی
العذاب ھم خالدون ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی

وما انزل الیه ما اتخذوهم اولیاء ولکن کثیرا منهم فاسقون۔ المائدہ رکوع ۱۱۔

"اے نبیؐ! تم ان میں سے کثیر لوگوں کو دیکھتے ہو کہ وہ کافروں سے محبت رکھتے ہیں جو عمل وہ اپنے نفسوں کے لیے کر رہے ہیں برا ہے، خدا ان سے ناراض ہوا، اور وہ لوگ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ اگر یہ لوگ اللہ اور نبیؐ پر ایمان رکھتے اور قرآن کو مانتے تو ان کو دوست نہ بناتے۔ لیکن ان میں زیادہ لوگ فاسق ہیں۔"

۳۔ ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل لا یولون الادبار وکان عھد اللہ مسئولا قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذا لا تمتعون الا قلیلا۔ الاحزاب رکوع ۲۔

"ان لوگوں نے تو (جنگ سے) پہلے اللہ سے عہد کیا تھا کہ پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں گے اور اللہ کا عہد پوچھا جائے گا۔ اے رسول! کہہ دو کہ تم کو موت یا قتل سے بھاگنا ہرگز نفع نہ دے گا۔ اگر تم بھاگے تو فرار کی صورت میں تم زیادہ زندہ نہ رہو گے۔"

۴۔ لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم والمرجفون فی المدینة لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا۔ سورۂ احزاب رکوع ۸

"یقیناً اگر منافقین اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، اور مدینہ میں غلط خبریں پھیلانے والے باز نہ آئے تو ہم اے نبیؐ تم کو ان کے خلاف کھڑا کر دیں گے پھر وہ تمہارے آس پاس مدینہ میں زیادہ نہ رہنے پائیں گے۔"

۵۔ فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ۔

"پس آیا قریب ہو تم اگر حاکم ہو جاؤ تم کہ فساد پھیلاؤ زمین میں اور قطع رحم کرو وہ لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ اس آیت میں مستقبل کے بارہ میں بہت کچھ خبر ہے۔"

۶۔ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما ارٰکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرة۔

"یہاں تک کہ تم نے ہمت ہار دی اور امر نبی کے بارہ میں تنازعہ کیا اور جس وقت تم کو اللہ نے تمہاری محبوب فتح دکھا دی، تم نے نافرمانی کی تم میں سے کچھ دنیا چاہتے ہیں اور کچھ آخرت چاہتے ہیں۔"

یہ آیت خصوصیت سے جنگ احد کے ان تیراندازوں کی جماعت کے لیے ہے جن کو نبیؐ نے احد کی گھاٹی پر متعین کر کے حکم دیا تھا کہ ہماری فتح ہو یا شکست تم کسی حالت میں

دہلتا۔ لیکن مسلمانوں کی توجہ نہ ہوئی اور کفار اپنا سامان میدان میں چھوڑ کر بھاگے اور مسلمان اس سامان کو لینے لگے تو تیر اندازوں کی وہ جماعت معدودے چند کے سوا اپنی جگہ سے ہٹ کر نیچے آ گئی۔ خالد بن ولید نے جب گھاٹی کو تقریباً خالی دیکھا تو اس طرف سے مع اپنے لشکرِ مفرور کے حملہ کر دیا سب سے پہلے وہ چند مومنین جو گھاٹی پر رہ گئے تھے اور باوجود اپنی زیادہ جماعت کے چلے جانے کے خدا و رسولؐ کی نافرمانی سے ڈر کر باقی رہ گئے تھے شہید ہو گئے۔ اور ان کی شہادت کے بعد جو اس جماعت نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کیا تو بنا بنایا کام بگڑ گیا۔ مسلمان اس حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ اکثر اِدھر اُدھر چلے گئے۔ کچھ باقی رہ گئے۔ نبیؐ زخمی ہوئے۔ آیت مذکورہ ان ہی تیر اندازوں کے بارہ میں ہے جن کی بے صبری اور نافرمانی سے یہ انجام ہوا۔ یہ آیت آلِ عمران رکوع ۱۳ میں ہے۔

۷۔ اذ تصعدون ولا تلٗون علیٰ احدٍ والرسول یدعوکم فی اُخرٰکم۔ آل عمران رکوع ۱۶

"جب تم پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو دیکھے پھر کر نہ دیکھتے تھے اور رسولؐ تم کو پیچھے سے پکار رہے تھے۔"

جنگِ اُحد ہی کا ذکر ہے:۔

۸۔ انّ الّذین تولّوا منکم یوم التقی الجمعان انّما استزلّھم الشّیطٰن ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللّٰہ عنھم انّ اللّٰہ غفورٌ حلیم۔ اٰلِ عمران رکوع ۱۶

"یقیناً جو لوگ تم میں سے دونوں گروہوں کی مڈبھیڑ کے وقت بھاگ گئے تھے ان کو ان کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے روگردان کر دیا تھا۔ اور یقیناً اللہ نے ان سے درگزر کیا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔"

یہ ذکر بھی جنگِ اُحد ہی کا ہے۔ اس آیت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سب ہی مومنین نے راہِ فرار اختیار نہ کی تھی کیونکہ منکم کہا جا رہا ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ بعض ثابت قدم رہے۔ آیت میں میدان چھوڑ دینے والوں سے عفو اور درگزر کرنے کی بھی خبر ہے لیکن جو لوگ ثابت قدم رہے ان کی برابری وہ لوگ جو چلے گئے عفو و درگزر کے باوجود نہیں کر سکتے کیونکہ عفو و درگزر کا مطلب یہی تو ہے کہ جس سزا کے وہ مستوجب ہو گئے تھے وہ ان کو نہ دی جائے گی لیکن ثابت قدمی کا صلہ اور انعام جو ثابت قدم حضرات نے کی وہ ان کے ایمانی درجات کی انتہائی بلندی کی دلیل ہے۔

۹۔ وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۔ پارہ ۱۰ سورۂ توبہ رکوع ۳۔

"اور حنین کی لڑائی میں جب کہ تم کو تمہاری کثرت نے نازاں کر دیا تھا پس تمہاری کثرت نے تم کو کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی تھی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔"

جنگِ حنین میں بھی سب ہی مومنین میدانِ جنگ چھوڑ کر نہیں چلے گئے تھے لیکن جانے والے ثابت قدم رہنے والوں سے اتنے زیادہ تھے کہ قرآنِ کریم نے عموم اور کثرت کی بنا پر صرف چلا جانا ہی چلا جانا دکھایا کیونکہ کسی بات کا حکم کثرت ہی کی بنا پر لگایا جاتا ہے۔ حال کی گزشتہ جنگ میں جو لاہور کے سامنے ہی ہو رہی تھی اس امر کا عام چرچا ہے اور بجا ہے کہ لاہور والے بے خوف و خطر سب اپنی اپنی جگہ اطمینان کے ساتھ جمے رہے اور لاہور کی چہل پہل میں کوئی فرق ہی نہیں آیا، اگرچہ بعض بیمار اور کمزور حضرات جو مثلاً دل اور اعصاب کے مریض تھے اور ان کے لیے توپوں کی دھڑا دھڑ کی آواز مضر تھی اور ان کو کہیں اور چلے جانے کی سہولت تھی، ان کو لاہور سے باہر جانا پڑا اور ان کی وجہ

ان کے متعلقین کو بھی لیکن ان کی تعداد چونکہ نہایت کم تھی اس لیے ذکر کے قابل نہیں۔ اگر خدانخواستہ جتنے چلے گئے اتنے رہ جاتے اور جتنے موجود رہے اتنے چلے جاتے تو یہ لفظ غلط نہ ہوتا کہ لاہور والے چلے گئے یا لاہور خالی ہو گیا کیونکہ حکم کثرت ہی پر لگایا جاتا ہے۔

۱۰۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ پارہ ۱۰ سورۂ توبہ رکوع ۶۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم کو کیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جنگ کے لیے) نکلو تو تم بوجھل ہو کر زمین کو پکڑ لیتے ہو۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر اس پست زندگی پر قائم ہو گئے۔ پس آخرت کے مقابلہ میں حیاتِ دنیا کچھ بھی نہیں مگر تھوڑی۔ اگر تم نے کوچ نہ کیا تو اللہ تم کو دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا

جو حالت اس آیت میں مسلمانوں کی دکھائی گئی ہے اس حالت سے جو مومنین راسخ العقیدہ اور کامل الایمان تھے یقیناً مستثنیٰ تھے۔

۱۱۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ

اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال لولا اخرتنا الی اجل قریب - ۷۷ - سورۂ نساء رکوع ۱۰

"اے نبی! کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جن سے پہلے یہ کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رہو، نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ دو۔ پس جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے خدا سے ڈرتا ہے یا اس سے بھی زیادہ خوف و ہراس۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے رب تو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا۔ ہم کو ابھی اور مہلت کیوں نہ دی۔"

۱۲۔ کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم - بقرہ رکوع ۲۶

"تم پر قتال فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار ہے۔"

۱۳۔ واذا راوا تجارۃ او لھوا انفضوا الیھا وترکوک قائما
سورہ جمعہ رکوع ۲

"اور جب وہ کسی تجارت یا کھیل کو دیکھ لیتے ہیں تو اس ہی کی طرف جھک پڑتے ہیں اور تم کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔"

ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا
۱۴۔ منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون -
سورۂ توبہ رکوع ۷۔

"اور ان میں سے کچھ تم کو تقسیم صدقات میں (اے نبی) الزام لگاتے ہیں۔ اگر اس میں سے ان کو دے دیا گیا تو وہ راضی ہیں اور نہ دیا گیا تو وہ ایک دم غصہ میں بھر جاتے ہیں۔"

غرضکہ دونوں قسم کی آیتوں کو دیکھ کر ناظرین خود فیصلہ کریں اس امر کا کہ جن کی ثنا و صفت، مدح و توصیف پہلی قسم کی آیات میں ہے - کیا ان ہی حضرات کی تنقید اور تحقیر اس دوسری قسم کی آیات میں ہے۔ یا یہ کہ وہ آیات جن حضرات کی شان میں ہیں وہ اور ہیں اور یہ تنقید و تبصرہ جن لوگوں پر ہو رہا ہے یہ اور ہیں۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ جن حضرات کے بارہ میں اشداء علی الکفار کی مستقل مدح ہو ان ہی کو وہی کہنے والا اسی کتاب میں کہیں یہ کہے کہ تم طالب دنیا ہو، کہیں یہ کہے کہ میدان قتال میں جانا تم کو ناگوار ہے۔ تم زمین کو بوجھ بنکر پکڑ لیتے ہو۔ تم پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے۔ رسول پکار رہے تھے اور تم پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ کہیں یہ کہے کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے۔ کہاں تو ان کی یہ شان اور ان کے بارے میں یہ بیان کہ وہ جب میدان میں آتے ہیں تو پرا باندھ کر قتال کرتے ہیں۔ اس طرح کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں کہاں قرآن کی ثابت قدمی اور مستقل ثابت قدمی کی یہ خبر کہ وہ جب بھی میدان قتال یا جنگ کے ساتھ ہوتے ہیں تبھی سے اور ان سے اصل کیے بغیر رکتے نہیں

کہاں تو ان کی یہ شان کہ انھوں نے اللہ کے ہاتھ اپنی جانوں کو اپنے مال
کو جنت کے بدلے میں بیچ دیا ہے، وہ قتال کرتے ہیں، قتل کرتے
ہیں، قتل کر دیے جاتے ہیں۔ اور کہاں ان کے یہ حالات کہ حکم
جہاد ان کو ناگوار، میدانِ قتال میں جانا ان کو دوبھر، چلے گئے تو نہ
یہاں ٹھہرے نہ وہاں۔ کہاں تو ان کی یہ شان کہ ان کو کوئی تجارت
اور کوئی خرید و فروخت ذکرِ خدا سے روگرداں نہیں کرتی اور پھر
وہی مدح کرنے والا اس ہی کتاب میں ان ہی لوگوں کے بارے میں
یہ کہے کہ جب یہ لوگ تجارت اور لہو و لعب کو دیکھ لیتے ہیں تو
تم کو خطبہ پڑھتا ہوا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ اختلافِ بیان
ان ممدوح ہستیوں کو ہی داغدار نہیں کر رہا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ
کی شان کے بھی منافی ہے۔ کہ کہیں کچھ اور کہیں کچھ، کبھی کچھ، کبھی
کچھ۔ کیونکہ اگر وہ مدح وقتی، عارضی اور کسی خاص دن اور موقع
کے لیے ہوتی، تب تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ جب اچھا کیا اچھا کہا۔
اور جب اچھا نہ کیا تو تنقید کی۔ لیکن آیاتِ مدح کا عنوان
جیسا کہ دکھایا جا چکا ہے عارضی اور وقتی نہیں۔ بلکہ مستقل ہے۔
جن لوگوں کی تنقید کتاب اللہ میں کی گئی ہے اور ان کے دگرگوں
حالات قرآنِ کریم نے بیان کیے ہیں اگر قرآنِ کریم کا یہ عکس اسلامی
تاریخوں میں موجود ہے تو یہ کہنا غلط ہے کہ اسلامی تاریخیں ان کو
داغدار کر رہی ہیں بلکہ اسلامی تاریخیں ایسے لوگوں سے داغدار ہو رہی

ہیں۔ اگر کوئی شخص اسلامی تاریخوں میں ایسے مواد کو دیکھنا ناپسندیدہ
قرار دیتا ہے اور اسکی آرزو ہے کہ ایسے مواد کو اسلامی تاریخوں
سے نکال باہر کیا جائے تو وہ پہلے یہ تمام مواد قرآنِ کریم سے
نکالے اور اس کے بعد کہے کہ اب یہ قرآن ہے، قرآنِ
پاک۔ اسلامی تاریخیں اس پہلو پر قرآنِ کریم سے وابستہ ہیں،
تو انھیں اس صورت میں اگر کوئی منکرِ تاریخ ہے تو یہ انکار
تاریخ نہیں بلکہ انکارِ قرآن ہے۔ البتہ اگر کوئی چیز تاریخ
میں بیانِ قرآنی کے خلاف ہے تو وہ یقیناً بے اصل ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ عہدِ نبی کے جن مومنین کی قرآنِ کریم نے
مستقل طور پر مدح کی ہے وہ وہ نہیں ہیں جن کی جا بجا
مذمت کی گئی ہے۔ اور جن کی مذمت کی جاتی رہی ہے۔ وہ
لوگ وہ نہیں ہیں جن کی مدح و ستائش ہوتی رہی ہے۔ بلکہ
آیاتِ مدح جن کی شان میں ہیں وہ اور ہیں۔ اور آیاتِ مذمت
جن کے بارے میں ہیں وہ اور ہیں۔ جس طرح آیاتِ مذمت
کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیات اس عہد کے تمام
مسلمانوں کے لیے ہیں اسی طرح آیاتِ مدح کے متعلق بھی یہ
سمجھنا غلط ہے کہ یہ سب کے لیے ہیں۔

واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔